اُمّ المومنین

خدیجہ رضی اللہ عنہا

تالیف

محترمہ بثینہ توفیق مصری

ترجمہ

شیخ محمد احمد پانی پتی

مرکزِ اشاعت
رام گلی نمبر ۲ برانڈرتھ روڈ
لاہور

بارِ اوّل

۱۹۵۷ء

تعداد ایک ہزار

قیمت

دو روپے

مطبوعہ:

نقوش پریس لاہور،

باہتمام

مبارک محمود

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

(مترجم)

وہ محترم خاتون جنہیں سب سے پہلے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا شرف حاصل ہُوا۔ جن کی زندگی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے دُوسرا نکاح نہیں کیا۔ جو دُنیا میں سب سے پہلے آپ کے دعویٰ نبوّت پر ایمان لائیں۔ اور جنھوں نے دینِ حقّہ کی خاطر اپنی جان، مال اور عزّت کو قربان کر دیا، انہیں تاریخ میں خدیجہؓ بنتِ خویلد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جس دلسوزی و محبّت جانفشانی و محنت اور فرماں برداری و اطاعت کے ساتھ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم کی خدمت کی۔ اور اسلام کی راہ میں جو بے نظیر

اور عدیم المثال قربانیاں پیش کیں، وہ آنے والے ہر دور میں نہ صرف مسلمان عورتوں بلکہ مردوں کے لئے بھی مشعلِ راہ کا کام دیتی رہیں گی طبقۂ نسواں کے لئے یہ امر انتہائی فخر اور ناز کا موجب ہے۔ کہ دین کی راہ میں اپنے آپ کو ہمہ تن وقف کرنے والی اوّلین ہستی ایک عورت کی تھی، اور عورت بھی وہ جو کہولت کی عمر سے گزر کر بڑھاپے کے اس دور میں داخل ہو چکی تھی جب اعضاء میں اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے۔ اور شدید محنت اور تکالیف برداشت کرنے کی طاقت بہت کم ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ہمیشہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ان قربانیوں کا اعتراف فرمایا۔ اور تا حینِ حیات انتہائی رقت بھرے الفاظ میں ان کا ذکر کرتے رہے۔ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ازواجِ مطہرات کے سامنے اُن کا ذکرِ خیر فرما رہے تھے۔ کہ حضرت عائشہؓ بول اُٹھیں۔

یا رسولؐ اللہ! آپ ہر وقت خدیجہؓ کا ذکر کیوں کرتے رہتے ہیں، وہ ایک بوڑھی عورت تھیں۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو ان سے بہتر بیویاں عطا فرما دی ہیں +

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پُر سوز الفاظ میں فرمایا:

عائشہؓ! ایسی بات مت کہو۔ خدیجہؓ نے اس وقت میری

تصدیق کی جب تمام قوم میری تکذیب کے درپے تھی، وہ اس وقت مجھ پر ایمان لائی جب تمام لوگوں نے میری باتیں سننے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے اس وقت میرے سامنے اپنا مال پیش کیا جب کوئی شخص مجھے ایک درہم بھی دینے کے لئے تیار نہ تھا۔

جس وقت غارِ حرا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر پہلی بار وحی نازل ہوئی۔ اور جبریلؑ نے آکر آپ کو خدائی کلام سے آگاہ کیا۔ تو آپ گھبرائے ہوئے گھر آئے۔ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا۔

"مجھے کپڑا اُڑھا دو۔ مجھے کپڑا اُڑھا دو۔ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے"

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کی یہ حالت دیکھ کر گھبرا گئیں۔ اور وجہ دریافت کی۔ حضورؐ نے غارِ حرا والا واقعہ بیان کیا۔ کوئی اور ہوتا تو ہنسی میں بات اُڑا دیتا۔ اور اسے نعوذ باللہ آپ کا واہمہ خیال کرتا۔ لیکن خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دل میں کوئی شک پیدا کئے بغیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کر کے نہایت پرزور الفاظ میں فرمایا۔

"خدا کی قسم! اللہ آپ کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ آپ رشتہ داروں سے حسنِ سلوک سے پیش آتے ہیں۔ غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرتے ہیں ضعیفوں اور کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ بیوہ اور نادار عورتوں کی ضروریات کا خیال رکھتے ہیں۔ یتیموں اور لاوارثوں کی دل دہی

کرتے ہیں۔ مسافروں کی خاطر مدارات کرتے ہیں مصیبت زدہ لوگوں
کی ہر طرح اعانت کرتے ہیں۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ
آپ کو چھوڑ دے"؟ سلہ

اخلاص اور محبت کے اس بے پناہ جذبے ہی کا اثر تھا۔ کہ وفات کے سالہا سال بعد بھی جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا خیال آجاتا تھا۔ تو حضورؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے تھے۔ اور آج چودہ سو سال کے بعد اب بھی جس مسلمان کی زبان پر آپ کا نام آجاتا ہے۔ وہ ادب اور تعظیم کے ساتھ آپ پر سلام بھیجے بغیر نہیں رہ سکتا۔

یہ تذکرہ اسی پاکباز خاتونؓ کا ہے جسے مصر کی ایک فاضل خاتون بثینہ توفیق نے تحریر کیا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ اس امید کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ کہ ہر مسلمان اسے پڑھ کر اسلام کے لئے قربانی و ایثار کا وہی جذبہ اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریگا جو خدیجہؓ طاہرہ کے دل میں موجزن تھا۔

محمد احمد پانی پتی

(۱)

مکّہ کے ایک پُر رونق محلّے میں بئرِ سقیہ کے قریب ایک عالیشان اور خوبصورت مکان بنا ہُوا تھا۔ جو اپنی خوشنمائی، فراخی اور زیبائش کے لحاظ سے اردگرد کے تمام مکانات میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ اور جس کے در و دیوار سے بنانے والے کی عظمت، ثروت اور شوکت عیاں ہو رہی تھی۔ لونڈیاں اور غلام ہر وقت اس کے برآمدوں اور کمروں میں گشت کرتے رہتے تھے۔ اور قریش کے معزز سرداروں اور شرفا کا ہر وقت وہاں تانتا بندھا رہتا تھا۔ اس گھر کا مالک مکّہ کا مشہور سردار خویلد تھا۔

خویلد ایک جہاندیدہ، باوقار، مہذب بُوڑھا شخص تھا۔ اس کی بیوی فاطمہ ادھیڑ عُمر کی خوبرو اور ہنس مُکھ خاتون تھی۔ نوجوانی میں اس کا

شمار قریش کی حسین ترین لڑکیوں میں ہوتا تھا۔ قدرت نے ان میاں بیوی کو اولاد کی سعادت سے بھی بہرہ ور کر رکھا تھا۔ یہ بچے، جن کے بشروں سے ذہانت اور خوش بختی کے آثار ہویدا تھے اس گھر کی رونق اور ماں باپ کی جنّت تھے ؎

خویلد کے جدِّ امجد کا نام قصیٰ تھا، جو قریش کا بااثر سردار تھا۔ اور مکّہ کی حکومت کلیتہً اسی کے قبضہ میں تھی۔ حج بیت اللہ کا سارا انتظام بھی اُس نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ جب حج کا زمانہ قریب آتا تو قریش حسبِ مقدور اپنے اموال کا کچھ حصّہ اُس کے سپُرد کر دیتے جو حاجیوں کے کھانا کھلانے اور نادار لوگوں کے زادِ راہ میں خرچ ہوتا۔ قصیٰ کی رہائش دارالندوہ میں تھی۔ جو قریش کا پنچایت گھر تھا۔ اور وہ اپنے تمام معاملات وہیں جمع ہو کر طے کیا کرتے تھے ؎

قصیٰ کے چار بیٹے تھے۔ عبدالدار۔ عبدالعزّیٰ۔ عبدمناف اور عبد قصیٰ۔ عبدالدار سب سے بڑا تھا۔ لیکن شرف و عزّت اور وجاہت میں عبد مناف بڑھا ہوا تھا۔ جب قصیٰ پر بڑھاپا غالب آگیا۔ اور وُہ انتظامی امور کی نگرانی کرنے کے ناقابل ہو گیا۔ تو اُس نے کعبہ کی تولیت کے تمام مناصب یعنی حجابت (کعبہ کی دربانی اور کلید برداری) لواء (علم برداری) سقایت (حاجیوں کیلئے پانی کا انتظام)

رفادة (غریب حاجیوں کی اعانت کا انتظام) اور دار الندوہ (پنچایت گھر کا انتظام) عبدالدار کے سپرد کر دئیے ۔

عبد مناف کو اپنے والد کے اس طرزِ عمل سے بہت رنج ہؤا۔ لیکن اُن کا کچھ بول نہ سکا۔ قصیؒ کی وفات کے بعد بھی عبدالدار کے اثر و رسوخ کے باعث وہ کچھ نہ کر سکا۔ عبدالدار نے آخری عمر میں یہ مناصب اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دئیے۔ تاہم بنو عبد مناف اپنے آپ کو بنو عبدالدار سے اشرف اور افضل سمجھتے تھے۔ چنانچہ عبد مناف کے لڑکوں ہاشم، عبد شمس، مطلب اور نوفل نے تہیہ کر لیا۔ کہ وُہ اپنے عمزاد بھائیوں سے اپنا حق لے کر رہیں گے۔ اس پر قریش میں تفرقہ پڑ گیا۔ کچھ لوگ بنو عبدالدار کو حق پہ سمجھتے تھے۔ اور کچھ بنو عبد مناف کو۔ بنو عبدالعزیٰ نے بنو عبد مناف کا ساتھ دیا۔ بنو عبدالدار کے حلیفوں نے ان کی مدد کرنے کی قسم کھائی۔ اور بنو عبد مناف کے حلیفوں نے ان کی اعانت کا حلف اُٹھایا۔ قریب تھا کہ قریش میں زور شور کی جنگ چھڑ جاتی۔ کہ بعض سنجیدہ اور سربرآوردہ لوگوں کو ایک تجویز سُوجھی۔ وہ یہ کہ بنو عبدالدار کو حجابت، علم برداری اور دارالندوہ کا انتظام سپرد کر دیا جائے۔ اور بنو عبد مناف کو سقایت اور رفادة سونپ دی جائے ۔

ہر دو فریق نے یہ تجویز قبول کرلی۔ اور تولیت کعبہ کے مناصب ان دونوں خاندانوں میں تقسیم کر دئے گئے۔

خویلد بنو عبد العزیٰ سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ وُہی خاندان تھا جس نے بنو عبد الدار کے مقابلے میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اجداد بنو عبد مناف کا ساتھ دیا تھا۔ خویلد کے دو بھائی نوفل اور عمرو تھے۔ خویلد کی طرح ان کا شمار بھی بنو اسد کے سرداروں اور قریش کے سربرآوردہ اشخاص میں ہوتا تھا۔ اور کسی شخص کی مجال نہ تھی۔ کہ ان کی طرف ٹیڑھی نظر سے بھی دیکھ سکے۔

(۲)

خدیجہؓ بنت خویلد کو اپنی والدہ فاطمہ کی طرف سے صباحت و ملاحت شیریں کلامی، خوش اخلاقی، عالی حوصلگی اور ہمدردی و مروت کی صفات ودیعت ہوئی تھیں۔ اور والد کی طرف سے نرم دلی اور عقلمندی سے حصۂ وافر عطا ہوا تھا۔ ان اخلاقِ حسنہ کے باعث قریش کے ہر نوجوان کی دلی خواہش تھی۔ کہ اسے خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کا شوہر بننے کا شرف حاصل ہو۔ خود خدیجہؓ کا برادرِ عم زاد ورقہ بن نوفل جو بے حد شریف، متین اور عقل مند شخص تھا انہیں اپنی زوجیت میں لانے کا خواہشمند تھا۔ خدیجہؓ بھی اس کی بالغ نظری اور عقل و دانش کی معترف تھیں۔ اُن کے دِل میں ورقہ کی فرزانگی و متانت کے باعث اس کا بڑا احترام تھا۔ لیکن مشکل یہ آپڑی کہ خویلد اپنی لڑکی کیلئے

ایسا بر چاہتا تھا۔ جو حسنِ اخلاق، مال و دولت اور حسب و نسب کے لحاظ سے خدیجہؓ کا ہم پایہ ہو۔ ورقہ دیگر تمام اوصاف سے متصف تھا۔ مگر مال و دولت سے محروم تھا۔ اس لئے خدیجہؓ کو حاصل نہ کر سکا۔ اور خویلد نے ورقہ کی درخواست مسترد کر کے ابوہالہ بن زرارہ تمیمی کو اپنی بیٹی کے لئے منتخب کیا ۔

ابوہالہ یوں تو بیشتر اخلاقِ حسنہ سے متصف تھا۔ لیکن سخاوت اور فیاضی میں اس کا قدم اپنے ہم عمر لوگوں میں سب سے آگے تھا ۔

ابوہالہ کے ہاں خدیجہؓ کے بطن سے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ جن میں سے ایک کا نام ہالہ اور دوسرے کا ہندہ رکھا گیا۔ یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے۔ کہ عرب میں والدین اپنے بچّوں کو نظرِ بد سے بچانے کے لئے بعض اوقات ان کے نام عورتوں جیسے رکھ دیا کرتے تھے۔ چونکہ مکّہ میں خدیجہؓ کو بھی رشک اور حسد کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس لئے والدین نے اپنے بچّوں کو نظرِ بد سے بچانے کے لئے ان کے نام زنانہ رکھ دئے ۔

دونوں میاں بیوی آرام اور چین کی زندگی بسر کر رہے تھے انہیں زوجیت کی تمام سعادتیں میسر تھیں۔ ابوہالہ باطمینان تمام اپنے کاموں میں مشغول رہتا تھا۔ اور خدیجہؓ کا سارا وقت بچّوں کی غور و پرداخت

اور پرورش میں صرف ہوتا تھا۔ لیکن خوش قسمتی کا یہ قابلِ رشک زمانہ بہت مختصر ثابت ہوا۔ خدیجہؓ کا محبوب شوہر عین عنفوانِ شباب میں اُنہیں داغِ مفارقت دے گیا۔ اور خدیجہؓ کی آنکھوں میں دُنیا اندھیر ہوگئی۔

کچھ عرصے تک خدیجہؓ کی زندگی انتہائی قلق اور اضطراب میں گذری۔ مال و دولت کی فراوانی کے باوجود اُنہیں نہ دن کو چین تھا اور نہ رات کو آرام۔ وُہ اپنے گرد و پیش نظر دوڑاتیں۔ انہیں سینکڑوں عورتیں ایسی دکھائی دیتیں جو بے حد غربت کی حالت میں زندگی بسر کر رہی تھیں۔ لیکن ان کا سہاگ قائم تھا۔ اور اس نعمتِ عظمیٰ کی موجودگی میں اُنہیں دُنیا کی کسی بھی مصیبت کی پروا نہ تھی۔ ان سے نظر ہٹا کر جب وُہ اپنے اوپر نگاہ ڈالتی تھیں، تو گو اُنہیں دُنیا جہان کی نعمتیں میسر تھیں لیکن اُن کا سہاگ لُٹ چکا تھا۔ اور یہی اکیلا زخم خدیجہؓ کا جگر پارہ پارہ کرنے کے لئے کافی تھا۔

خدیجہؓ کے لئے صبر کے سوا اَور کوئی چارہ نہ تھا۔ وُہ تقدیر پر صابر و شاکر ہو کر بیٹھ رہیں۔ لیکن جب کبھی ابوہالہ کا خیال آتا۔ تو اُن کے دل میں دبی ہوئی غم والم کی چنگاریاں بھڑک اُٹھتیں جب وُہ اپنے بچّوں کو دیکھتیں کہ انہیں بچپن ہی میں یتیمی کا داغ اُٹھانا پڑا

ہے۔ تو اُن کے مُنہ سے ایک سرد آہ نکلتی۔ اور وُہ دل مسوس کر رہ جاتیں ۔

ابو ہالہ کے انتقال کے بعد قریش کے نوجوانوں نے دوبارہ شادی کی درخواستیں کرنی شروع کیں۔ ابتداء میں تو وُہ اُنکی درخواستیں پائے حقارت سے ٹھکراتی رہیں۔ کیونکہ ابو ہالہ کی یاد آسانی سے محو ہونے والی نہ تھی۔ لیکن آخر کار والد اور چچا (عمرو بن اسد) کے اصرار پر راضی ہوگئیں۔ اور بنو مخزوم کے ایک شریف نوجوان عتیق بن عائذ سے ان کی شادی ہوگئی۔ ابو ہالہ کی طرح اس نوجوان نے بھی خدیجہؓ کو آرام و آسائش پہنچانے میں کسر اُٹھا نہ رکھی۔ اس کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہندا رکھا گیا۔ لیکن افسوس کچھ عرصے کے بعد عتیق کا بھی انتقال ہوگیا۔ اور خدیجہؓ پر دوبارہ غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ۔

ان پے در پے صدموں نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بالکل نڈھال کر دیا۔ اُنہوں نے ہر طرف سے مُنہ موڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اور بچوں کی پرورش اور تربیت کے سوا اَور کسی کام اور دُنیا کی کسی دلچسپی سے سروکار نہ رکھا ۔

ابھی شوہر کی وفات کا صدمہ تازہ ہی تھا۔ کہ اُنہیں اپنی زندگی کے سب سے بڑے حادثے سے دوچار ہونا پڑا۔ ان کا مشفق باپ

چند دن کی بیماری کے بعد اُنہیں داغِ مفارقت دے گیا۔ اور وہ بالکل بے یار و مددگار رہ گئیں۔ اب اُنہیں نہ مُونس و غمخوار خاوند کی صحبت نصیب تھی۔ اور نہ مشفق و مہربان باپ کا سایہ ان کے سر پر تھا۔ وہ تنہا تھیں۔ کوئی نہ تھا جو اس رنج و غم کی حالت میں اُنہیں تسلّی دیتا۔ اور کوئی نہ تھا جو اُن کی ہمدردی اور غمخواری کرتا۔ اس لئے مجبور ہو کر اُنہوں نے باپ کا سارا تجارتی کاروبار اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور اس طرح اپنے دل کو دُوسری طرف منعطف کرنے کی کوشش کی۔

مکّہ ایک تجارتی شہر تھا۔ اور وہاں کے مالدار لوگ اپنے تجارتی قافلے دُوسرے شہروں کو بھیجا کرتے تھے۔ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے بھی بعض لوگوں کو نفع میں حصّہ دار بنا کر ان کے ہاتھ تجارتی اشیاء بیرونی ملکوں میں بھیجنی شروع کیں۔ فطری ہوشیاری اور ذکاوت کی بدولت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تجارت کو بہت فروغ حاصل ہوُا۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں ان کا شمار مکّہ کی امیر ترین خواتین میں ہونے لگا۔

دریں اثناء خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس بدستور نکاح کے لئے مکّہ کے شرفاء کے پیغامات آتے رہے۔ لیکن اب ہر بار ان کا جواب قطعی انکار کی صورت میں ہوتا تھا۔ کیونکہ اپنے پہلے محبوب شوہروں کی

جُدائی سے اُن کے دل کی کلی مُرجھا چکی تھی۔ اس لئے اُنہوں نے آئندہ کے لئے نکاح کا خیال ہی اپنے دِل سے نکال دیا تھا۔ اور تمام عُمر مجرد رہنے کی قسم کھالی تھی ؂

(۳)

مکہ کے مشہور سردار اور بنو ہاشم کے ایک معزز فرد ابو طالب نے قریش کے ایک تجارتی قافلے کے ہمراہ شام جانے کا ارادہ کیا۔ جب وہ سفر کی تیاری مکمل کر چکے۔ اور روانگی کا وقت قریب آیا۔ تو اُن کے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی ان کے ساتھ چلنے کی ضد کی۔ سفر بہت لمبا اور راستہ بہت پرخطر تھا۔ راستے میں پرہیبت صحرا اور خوفناک جنگلات پڑتے تھے۔ اس لئے چچا نے اسے روکا۔ لیکن کمسن بھتیجے کا اصرار بڑھتا ہی چلا گیا۔ اور بالآخر چچا کو بھتیجے کی ضد پوری کرنی پڑی ❖

جب قافلہ سرزمینِ شام میں بصریٰ کے مقام پر پہنچا۔ تو وہاں اسے ایک راہب بحیرا نامی ملا جو عیسائیت کا بہت بڑا عالم تھا۔ اس سے پہلے بھی قریش کے تجارتی قافلے بصریٰ سے گذرتے رہتے تھے۔ لیکن

بحیرا نے نہ کبھی ان سے تعرض کیا تھا۔ اور نہ کبھی میل جول بڑھانے کی کوشش کی تھی۔ البتہ اس موقعہ پر اس نے قافلہ کے آرام و آسائش کے لئے خاص اہتمام کیا۔ اور اُن کے کھانے پینے کا بندوبست بھی کیا۔

راہب کے رویّہ میں یہ تبدیلی کیونکر رُونما ہوئی؟ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ گرجے کی کھڑکی میں سے اس کی نظر رہ رہ کر ایک ایسے بچے پر پڑ رہی تھی جس کے بشرے سے اقبال مندی کے آثار ہویدا تھے۔ اور یہ بچہ ابو طالب کا بارہ سالہ بھتیجا تھا۔ جو ضد کر کے ان کے ساتھ آیا تھا۔

قافلہ راہب کے گرجا کے قریب ہی اُترا تھا۔ وہ کچھ دیر تک تو اس بچّے کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر گرجا سے نکل کر اُس کے پاس آیا اور کچھ سوالات دریافت کئے۔ بچّے نے جو جوابات دیئے اُن سے راہب کو یقین ہو گیا۔ کہ یہی وہ بچہ ہے جس کی خبر صحفِ سابقہ میں دی گئی ہے۔ اور جس کا انتظار کیا یہودی اور کیا عیسائی بڑی بیتابی سے کر رہے ہیں۔

بچّہ سے گفتگو کرنے کے بعد وہ اس کے چچا ابو طالب کے پاس پہنچا۔ اور ان سے پُوچھا:۔

"تمہارا اس بچّے سے کیا رشتہ ہے؟"

ابوطالب نے جواب دیا۔" یہ میرا بیٹا ہے "۔

راہب نے کہا" یہ تمہارا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ میرے علم کے مطابق اس بچے کا باپ زندہ نہیں ہے "۔

ابوطالب نے جواب دیا" تم درست کہتے ہو۔ یہ دراصل میرا بھتیجا ہے۔ اور اس کی پیدائش سے چند ماہ قبل ہی اس کے والد کا انتقال ہو گیا تھا "۔

راہب نے کہا:۔

" تم اپنے بھتیجے کو فوراً مکہ واپس لے جاؤ۔ اور اسے حتی المقدور یہود کی نظروں سے بچاؤ۔ کیونکہ اگر ان کی نظر اس پر پڑ گئی۔ اور انہوں نے اس کے بشرے سے ان آثار کا پتہ لگا لیا جن کا مجھے علم ہوا ہے۔ تو وہ ضرور اسے ضرر پہنچانے کی کوشش کرینگے۔ میں تمہیں آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ تمہارا بھتیجا آئندہ چل کر ایک عظیم المرتبت انسان بننے والا ہے۔ اِس لئے اسے لے کر فوراً یہاں سے چلے جاؤ "۔

چنانچہ ابوطالب بھتیجے کو لے کر فوراً مکہ واپس آگئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سفر میں جہاں ایک طرف بے حد و کنار ہولناک صحراؤں میں سے گذرنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں شام کے فرحت افزا باغات بھی دیکھنے کا موقعہ ملا۔ جن کے سامنے طائف

کے ریگستان اور نخلستان بالکل ہیچ تھے۔ قسم قسم کے لوگوں سے ملنے، ان کی باتیں سننے اور اُن کے عادات واطوار کا مشاہدہ کرنے کا موقعہ ملا۔ حضورؐ نے ایک فطین وذہین لڑکے کی طرح اپنے گردوپیش کا بغور مطالعہ کیا۔ اور کم سنی ہی میں وُہ معلومات حاصل کرلیں جو اُن کے ہم عُمر جوانی کو پہنچ کر بھی حاصل نہ کرسکتے تھے۔

ابوطالب کو اس تجارتی سفر میں زیادہ نفع حاصل نہ ہوُا تھا۔ لیکن وہ اسی پر قانع ہوکر بیٹھ گئے۔ اور دوبارہ سفر کا قصد نہ کیا۔ وُہ کثیرالعیال تھے۔ لیکن اسی قلیل رقم سے اپنا اور اہل وعیال کا پیٹ پالتے رہے۔ کمسن لیکن خوددار بھتیجے نے اپنے غریب چچا پر بوجھ بننا گوارا نہ کیا۔ وہ سارا دن چند درہم کے عوض مکّے والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اور اس طرح اپنے چچا کے بوجھ کو کم کرنے کا باعث بنتا تھا۔ مکّہ کے قریب عکاظ، مجنّہ اور ذوالمجازؔ کے مشہور بازار تھے۔ جو مقررّہ مہینوں میں لگا کرتے تھے۔ ان میلوں میں تجارؔ کے علاوہ دُور دُور سے شعراء، فصحاء اور خطباء آیا کرتے تھے۔ اور اپنے اپنے فن اور کمالات کے مظاہرے کرتے تھے۔ ابوطالب کا ذہین وفطین بھتیجا بھی فصاحت وبلاغت اور شعروشاعری کے ان مقابلوں میں شریک ہوتا۔ اور آتش نوا شاعروں کے اشعار اور زبان آور خطیبوں کے

خطبے بڑے شوق سے سنتا۔ لیکن یہ دلچسپی محض شعروسخن کی بلند پایہ ادبی مجالس تک محدود رہی۔ لہو ولعب کی مجالس میں یہ پاکباز نوجوان کبھی شریک نہ ہوا۔ اور اپنے آپ کو ہر قسم کی کجروی سے محفوظ رکھا۔ صدق وصفا اس کا شعار تھا۔ اور امانت و دیانت اس کا شیوہ یہی وجہ تھی۔ کہ اہلِ مکّہ نے اسے امین کا لقب دیا ہوا تھا ؛

آئیے ہم خود اس نوجوان کی زبان سے اس کے عہدِ شباب کا ایک واقعہ سنیں :۔

" ایک دفعہ رات کو میں نے مکّہ کے ایک نوجوان سے جو میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا کہا کہ اگر تم میری بکریوں کی دیکھ بھال کرو تو میں کچھ دیر کے لئے قریش کی محفلوں کا گشت لگا آؤں۔ وہ راضی ہوگیا ؛

وہاں سے رخصت ہو کر میں ایک محفل میں پہنچا۔ وہاں بیٹھ کر چاہا۔ کہ گانا سنوں۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے ایسا تصرف کیا۔ کہ گانے کی کوئی آواز میرے کانوں تک نہ پہنچ سکی۔ اور میں غافل پڑ کر سو گیا جب میری آنکھ کھلی تو سورج چڑھ چکا تھا۔ میں اپنے ساتھی کے پاس آیا اور اسے سارا واقعہ سنایا۔ دوسری رات میں پھر اپنی بکریوں کو اپنے ساتھی کے پاس چھوڑ کر مکّہ پہنچا۔ وہاں پھر وہی

ماجرا پیش آیا۔ اور صبح ہونے پر ہی میری آنکھ کھلی۔ اس کے بعد پھر کبھی مَیں نے ان محفلوں میں شرکت کا ارادہ نہیں کیا ۔

جب کنانہ اور قیس عیلان کے درمیان جنگِ فجار پیش آئی۔ تو یہ نوجوان بھی اپنے اعمام کے ساتھ اس میں شریک ہؤا۔ اس کا کام صرف یہ تھا۔ کہ یہ دورانِ جنگ میں اپنے چچاؤں کو تیر پکڑایا کرتا تھا۔ یہ جنگ چار سال تک جاری رہی۔ اور اس کی بدولت نوجوان نے فنونِ جنگ میں خوب مہارت حاصل کر لی ۔

اس جنگ میں خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کو ایک اَور صدمہ اُٹھانا پڑا۔ یعنی ان کا بھائی حزام بن خویلد اس جنگ میں مارا گیا۔ حزام کا بیٹا حکیم بھی اس جنگ میں شریک تھا۔ حکیم ابوطالب کے بھتیجے سے پانچ سال بڑا تھا۔ لیکن اس سے بیحد محبت کرتا تھا۔ اور وہ دونوں آپس میں گہرے دوست تھے ۔

جنگ فجار کے اختتام پر بعض دردمند لوگوں کی مساعی سے عبداللہ بن جدعان کے گھر میں قریش کے سربرآوردہ اشخاص کا ایک اجتماع ہؤا۔ جس میں باہم عہد و پیمان ہوئے کہ آئندہ مکہ میں کسی شخص پر ظلم ہؤا تو قطع نظر اس کے کہ مظلوم مکہ کا رہنے والا ہو یا باہر کا،

تمام لوگ مل کر اس کی مدد کرینگے۔ اور اس وقت تک بس نہ کرینگے جب تک ظالم کو ظلم سے روک نہ دینگے۔ اس معاہدہ کو تاریخ میں حلف الفضول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جن کی عمر اس وقت بیس برس کی ہو چکی تھی شریک تھے ؞

اب مکہ میں ہر سو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امانت و دیانت، صدق و صفا، شرف و عزت اور حسنِ بصیرت کا چرچا تھا۔ مکہ کے ہر فرد بشر کو معلوم تھا کہ یہ پاکباز نوجوان ہر قسم کی بے راہ روی سے پاک اور دُنیا کی دلچسپیوں سے متنفر ہے۔ اس وقت انہیں بحیرا راہب کی باتیں یاد آئیں۔ اور ہر ایک کو یقین ہو گیا کہ اس نوجوان کے مقدر میں ایک عظیم الشان شخصیت بننا لکھا ہے ؞

(۴)

حضرت خدیجہ کے ہاں ملازمت

ابُوطالب کی غُربت اور تنگدستی میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ آخر انہوں نے اپنے بھتیجے سے کہا:۔

"ہماری جو حالت ہے وہ تُم پر عیاں ہے۔ تنگدستی کے باعث میں سخت مُصیبت میں مُبتلا ہُوں۔ مجھے معلوم ہُوا ہے۔ کہ خدیجہ بنت خُویلد نے فلاں شخص کو مالِ تجارت دے کر باہر بھیجا ہے۔ اور دو اونٹ معاوضہ میں دینے طے کیے ہیں۔ اگر تمہاری مرضی ہو تو میں تمہارے متعلق بھی ان سے بات کروں۔ شاید وہ تمہیں بھی معقول معاوضہ دیکر اپنا ملازم رکھ لیں"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو مال و دولت کی بالکل پروا نہ تھی۔ اگر صرف انہی کا معاملہ ہوتا تو وہ اسی غربت کی حالت میں زندگی بسر کرنے کو ترجیح دیتے۔ لیکن انہیں اپنے چچا کی حالت پر

بہت ترس آتا تھا۔ ایک طرف بڑھاپا ستا رہا تھا۔ دوسری طرف افلاس نے تنگ کر رکھا تھا۔ اس بنا پر ان کی حالت بہت سقیم اور قابلِ رحم تھی۔ لہٰذا نیک دل بھتیجے نے اُن کا بوجھ کم کرنے کی خاطر خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ملازمت پر رضامندی ظاہر کر دی ۔

ابو طالب خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس پہنچے۔ اور اُن سے کہا:۔

"محترم خاتون اب مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ تم نے فلاں شخص کو دو اونٹوں کے عوض اپنا مال دے کر باہر بھیجا ہے۔ میرا ایک بھتیجا ہے جو بہت لائق، دیانتدار اور محنتی ہے۔ تم بھی اسے مال تجارت دے کر باہر بھجوا دو۔ لیکن وہ چار اُونٹوں سے کم معاوضہ نہیں لے گا"۔

خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کو ابو طالب کے بھتیجے کی امانت و دیانت کا حال پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا۔ انہوں نے کہا:۔

"اگر آپ اپنے بھتیجے کے لئے اس سے زیادہ معاوضہ بھی طلب کرتے۔ تب بھی میں دینے کے لئے تیار ہو جاتی۔ آپ اسے میرے پاس بھیج دیجئے"۔

خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اور معقول معاوضہ دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بغرضِ تجارت شام بھجوا دیا۔ اور اپنے غلام میسرہ کو بھی ساتھ کر دیا۔ تاکہ وہ راستے میں ان

کی ضروریات کا خیال رکھے اور کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے نکل کر شام کا رُخ کیا۔
ان کی نظروں کے سامنے بچپن کا زمانہ پھر رہا تھا۔ جب وُہ اپنے
چچا کے ہمراہ ایک بار پہلے بھی ان راستوں سے گذرے تھے۔ شام
پہنچ کر حضورؐ نے خدیجہؓ کا مال بہت اچھے داموں فروخت کر دیا۔ اور
کثیر منافع حاصل کر کے مکہ لوٹے ؛

جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور میسرہ مکہ کی گلیوں
میں داخل ہوئے تو دوپہر کا وقت تھا۔ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے اپنے
بالاخانہ سے اُنہیں دیکھا۔ وہ فوراً نیچے اُتریں اور اُن کا استقبال کیا۔
حضورؐ نے تمام حساب انہیں سمجھایا اور منافع کی رقم اُن کے آگے کر دی
جسے دیکھ کر وُہ حیران رہ گئیں۔ آج تک کسی شخص نے اُنہیں اس قدر
منافع لا کر نہ دیا تھا ؛

بعد میں میسرہ نے سفر کے تمام حالات خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کو سنائے
اور اس نوجوان کی امانت و دیانت، پاکیزگیٔ اخلاق اور صدق و صفا
کے جو مشاہدے دوران سفر میں دیکھنے میں آئے تھے ان کا تفصیلی
ذکر کیا۔ خدیجہؓ بڑی حیرانی کے ساتھ تمام باتیں سنتی رہیں۔ اور دل
ہی دل میں اس نیک نوجوان کی حُسن سیرت کا اعتراف کرتی رہیں ؛

مکّہ کے معزز ترین افراد، جو حسب و نسب اور شرف و عزت کے لحاظ سے بلند مرتبہ کے مالک تھے، خدیجہؓ سے شادی کی درخواست کر چکے تھے۔ لیکن خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کی طرف سے ہمیشہ ہر ایک کو کورا جواب ملتا تھا۔ یکے بعد دیگرے دو خاوندوں کی وفات کے بعد ان کی ساری توجہ تجارت اور بچوں کی تربیت کی طرف مبذول ہو چکی تھی۔ لیکن جب سے انہیں ابو طالب کے بھتیجے سے ملنے اور اس کی حسنِ سیرت کا مشاہدہ کرنے کا اتفاق ہوا تھا، اُن کے خیالات میں تبدیلی آگئی تھی۔ اور اُن کے دل میں اس نوجوان سے عقد کرنے کی خواہش پیدا ہو چکی تھی۔ حالانکہ وہ عُمر میں اس سے کہیں بڑی تھیں۔

اس خواہش کا اظہار انہوں نے سب سے پہلے اپنی رازدار سہیلی نفیسہ بنتِ منیتہ سے کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق اُنہوں نے اپنے غلام میسرہ اور دیگر لوگوں کی زبانی جو کچھ سُنا تھا وُہ اُسے بتایا اور ساتھ ہی اپنا ایک پُرانا خواب بھی سُنایا۔

خواب یہ تھا۔ کہ جیسے آسمان سے سُورج اُن کے گھر میں اُتر پڑا ہے۔ اور اس کی روشنی سے مکّہ کے گھر اور وادیاں جگمگا اُٹھی ہیں۔

خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے نفیسہ کو بتایا کہ جُوں ہی مَیں نے یہ خواب دیکھا مَیں ہڑبڑا کر اُٹھی، اور فوراً اپنے برادرِ عمزاد ورقہ بن نوفل کو جا کر سُنایا۔ جو علم تعبیر الرّؤیا کا ماہر اور بہت بڑا عالم ہے۔ اس نے بتایا "خدیجہ! یہ خواب بہت مُبارک ہے۔ سُورج کے تمہارے گھر میں اُترنے اور اُس کے نُور سے وادیوں اور پہاڑوں کے جگمگا اُٹھنے کی تعبیر یہ ہے، کہ عنقریب تمہاری شادی ایک ایسے شخص سے ہونے والی ہے جسے اللہ تعالیٰ نبوت سے سرفراز فرمائے گا۔ اور اس کے نور سے سرزمینِ عرب جگمگا اُٹھے گی"۔

خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے اپنی سہیلی سے کہا۔ کہ مَیں نے اس خواب کا کسی شخص سے بھی ذکر نہ کیا۔ کیونکہ میں شادی کے ذکر سے بھی متنفر ہو چکی تھی۔ اور اس تعبیر کو بالکل بعید از حقیقت سمجھتی تھی۔

خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کی یہ باتیں سُن کر نفیسہ کو یقین ہو گیا۔ کہ اس کی سہیلی محمد (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) سے شادی کرنے کی خواہش مند ہے۔ اس نے خدیجہ (رضی اللہ عنہا) سے اپنے خیال کی تصدیق چاہی۔ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے کہا "تمہارا قیافہ درست ہے، اور میری خواہش ہے کہ محمد (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) سے میری

شادی ہو جائے"۔

اس پر نفیسہ نے کہا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پاس جاؤں گی۔ اور ان سے اس معاملے کے متعلق گفتگو کروں گی۔

حسبِ وعدہ نفیسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس پہنچی اور کہا۔

"آپ شادی کیوں نہیں کرتے"؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب دیا۔"ابھی تک میرے علم میں ایسی کوئی عورت نہیں ہے جسے میں نکاح کا پیغام دے سکوں"۔

نفیسہ نے کہا۔"اگر میں آپ کو ایک ایسی عورت کا پتہ بتاؤں جو مال و دولت، شرف و وجاہت اور حسنِ سیرت غرضیکہ ہر لحاظ سے آپ کے معیار کے مطابق ہو۔ تو آپ اس سے شادی کر لیں گے"؟

حضورؐ نے متعجب ہو کر پوچھا۔"وہ کون عورت ہے"؟

"خدیجہ"۔ نفیسہ نے جواب دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہا۔"خدیجہؓ مجھ سے نکاح کرنے پر کس طرح رضامند ہو سکتی ہیں"؟

نفیسہ نے جواب دیا: آپ کو یہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رضامندی ظاہر کردی۔

نفیسہ نے جاکر خدیجہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضامندی سے آگاہ کردیا۔ انہوں نے اپنے بوڑھے چچا عمرو بن اسد کو بلایا۔ اور یہ واقعہ بتاکر اپنا ولی مقرر کردیا۔ ادھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے چچا ابوطالب کو اس معاملے سے آگاہ کیا۔ چنانچہ فریقین کی رضامندی سے یہ رشتہ طے پاگیا۔ اور خدیجہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں آگئیں۔ مہر بیس اونٹ قرار پایا۔ نکاح کے وقت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر پچیس سال تھی۔ قبل ازیں بنو عبد مناف اور بنو عبد العزیٰ ایک دوسرے کے حلیف تھے۔ اور مصیبت کے موقع پر ایک قبیلہ بلا پس و پیش دوسرے قبیلے کی مدد کے لئے حاضر ہو جاتا تھا۔ اس نکاح سے تو ہر دو قبائل کے درمیان ناقابلِ شکست تعلق پیدا ہوگیا۔ اور دونوں قبیلے ایک دوسرے کے بیحد قریب آگئے۔

حضرت خدیجہؓ کی مرحبا بر حاری

(۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے گھر سے خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے وسیع و عریض گھر میں منتقل ہو گئے۔ یہ وہی گھر تھا جس کے بالاخانہ پر بیٹھکر شادی سے قبل خدیجہؓ حضورؐ اور اپنے غلام میسرہ کی راہ تکا کرتی تھیں۔ دونوں میاں بیوی نے الفت و محبت کی زندگی بسر کرنی شروع کی۔ دونوں کی عمروں کے بیّن فرق کے باوجود باہمی موانست اور محبت میں فرق پیدا نہ ہو سکا اور دونوں ہمیشہ کیلئے ایکدوسرے کے رفیق، ہمدرد اور غمگسار بن گئے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا یہ تیسرا نکاح تھا۔ لیکن انہوں نے اس خلوص اور محبت سے اپنے نئے خاوند کی خدمت کی کہ معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنی ازدواجی زندگی کے اوّلین دور میں سے گذر رہی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طبیعت ابتدا ہی سے خلوت گزینی کی طرف مائل تھی۔ وہ دنیا کی دلچسپیوں سے دُور بھاگتے تھے۔ اور اپنا بیشتر وقت غور و فکر میں گذارتے تھے۔ خدیجہ (رضی اللہ عنہا)

بھی ان کی اس عادت سے خوب واقف تھیں۔ شادی کے بعد اُنہوں نے اُن کی راہ میں کوئی رُکاوٹ پیدا نہ کی۔ اور وہ باطمینان تمام اپنے کام میں مشغول رہے۔ خدیجہؓ کا مال ان پر بے دریغ خرچ ہوتا تھا۔ اور وُہ اپنے خاوند کی ضروریات کا ہمیشہ خیال رکھتی تھیں ؎

۳۔ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) جانتی تھیں۔ کہ ان کا شوہر معمولی شخص نہیں بلکہ ایک عظیم الشان انسان ہے۔ اس لئے اُنہوں نے گھر کے ماحول کو پُرسکون اور طمانیت بخش بنانے کیلئے ہر ممکن سعی کی۔ اور اُنکا پاکباز شوہر ہر قسم کے جھگڑوں اور خرخشوں سے آزاد ہو کر خلوت گزینی کی زندگی بسر کرتا رہا ؎

تاہم اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مجلسی زندگی کو بالکل ہی خیرباد کہہ دیا تھا۔ انکا بیشتر وقت یقیناً گھر کے ایک گوشہ میں غور و فکر میں گذرتا تھا۔ بایں ہمہ وُہ قریش کی مجالس اور دار الندوہ میں ہونے والے مشوروں میں بھی شریک ہوتے تھے۔ اور بڑے غور سے انکی باتیں سُنتے رہتے تھے۔ ان مجالس میں بالعموم تجارتی اور قومی مصالح سے تعلّق رکھنے والے امور زیر بحث آیا کرتے تھے۔ چونکہ ان میں غور و فکر کی عادت پائی جاتی تھی اسلئے وُہ وقتاً فوقتاً نہایت صائب اور حکیمانہ مشورے دیتے تھے جس سے ان کا وقار اپنی قوم میں روز بروز بڑھ رہا تھا۔ اور تمام

لوگ بڑی عزت و احترام سے ان کی طرف دیکھتے تھے۔ جب کبھی کوئی کٹھن معاملہ آپڑتا۔ تو اسے حل کرنے کے لئے سب کی نظریں محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی کی طرف پڑتی تھیں اور وہ اپنی حکیمانہ بصیرت سے کام لے کر فوراً اس کا حل لوگوں کے سامنے پیش کر دیتے تھے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بھی یہ سب باتیں معلوم ہوتی رہتی تھیں۔ اور وہ اپنے شوہر کی اس عزت افزائی کے باعث حد درجہ مسرور رہتی تھیں ۔

خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کی خوشی کی اس وقت تو کوئی حد نہ تھی۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ انکے شوہر کے ایک حکیمانہ فیصلے کے نتیجے میں قریش کے خاندانوں کے درمیان ایک ایسی خونریز جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ جو اگر خدانخواستہ بھڑک اٹھتی۔ تو سالہا سال تک اس کے ختم ہونے کا امکان نہ تھا۔ اور جس میں سینکڑوں نہیں ہزاروں آدمی بھی کام آجاتے تو کم تھے یہ جھگڑا کسی قدیم یا جدید دشمنی کے باعث پیدا نہ ہوا تھا۔ کسی کنوئیں پر اپنے مویشیوں کو پہلے پانی پلانے کا تنازعہ نہ تھا۔ کسی ہمسائے یا مہمان کی عزت و ناموس خطرے میں پڑ جانے کا بھی سوال نہ تھا۔ اس کی بنیاد صرف اس بات پر تھی۔ کہ خانہ کعبہ میں حجر اسود کو اس کی جگہ پہ کون رکھے؟ کعبہ کی بنیادیں کمزور ہو چکی تھیں اور قریش نے اسے ڈھا کر دوبارہ بنانے کا ارادہ کیا تھا۔ اس کام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی ان کے ساتھ

تھے۔ اور بڑے شوق سے اس کی تعمیر میں حصہ لے رہے تھے۔ جب حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کرنے کا وقت آیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ یہ عظیم فخر کس شخص کے حصہ میں آئے۔ ہر شخص اس سعادت سے بہرہ ور ہونا چاہتا تھا۔ کیونکہ صرف یہی کام اس کے نام کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے زندہ رکھنے اور تا قیامت اس کے قبیلے کو دوسرے تمام قبائل سے ممتاز رکھنے کیلئے کافی تھا جھگڑا بڑھا اور قریب تھا کہ اس فخر کے حصول کی خاطر قبائل کے درمیان تلواریں کھنچ جاتیں، کہ ایک شخص نے یہ تجویز پیش کی کہ لڑنے جھگڑنے سے کوئی فائدہ نہیں، اس معاملہ کو کل تک ملتوی کر دو، اور کل جو شخص سب سے پہلے خانۂ کعبہ میں داخل ہو اس کے ذریعے فیصلہ کرا لو کہ کون شخص حجرِ اسود کو اسکی جگہ نصب کرنے کا حقدار ہے۔ اس تجویز پر سب کا اتفاق ہو گیا۔

خدا کا کرنا کیا ہوا کہ اگلے روز سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے۔ لوگوں کو ان کی امانت وصداقت اور حسنِ بصیرت کا تجربہ تھا۔ وہ بخوشی ان کا فیصلہ قبول کرنے کیلئے تیار ہو گئے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ایک کپڑا بچھا کر اس پر حجرِ اسود کو رکھا، اور ہر خاندان کے سردار کو بلا کر ایک ایک کونہ ان کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ سرداروں نے چاروں طرف سے کپڑے کو پکڑ کر اُسے اٹھایا۔ اور آپ نے کپڑے سے حجرِ اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اس حکیمانہ فیصلے سے

سب سردار خوش ہو گئے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف کے گُن گاتے ہوئے واپس چلے گئے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یقیناً قریش کے درمیان خونریز جنگ چھڑ جاتی۔ اور نہ معلوم اس کا کیا نتیجہ نکلتا۔ اور کتنے نفوس اس جھگڑے کی بھینٹ چڑھ جاتے۔

شادی کے کچھ عرصہ بعد خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے لڑکے قاسم پیدا ہوئے۔ دونوں میاں بیوی کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اور آئندہ کیلئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لقب ہی ابوالقاسم پڑ گیا۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عربوں کی عادت کے موافق لڑکے کو ایک دودھ پلانے والی دایہ کے سپرد کر دیا۔ جس کا انتظام پہلے ہی سے کر لیا گیا تھا۔

قاسم کی ولادت کے ایک سال بعد زینبؓ پیدا ہوئیں۔ خدیجہؓ نے انہیں بھی دایہ کے سپرد کر دیا۔ قاسم کی طرح زینبؓ کی پیدائش پر بھی بہت خوشی منائی گئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں لڑکے اور لڑکی دونوں سے نوازا تھا۔

لیکن زمانہ سدا ایک حال پر نہیں رہتا۔ قاسم بیمار ہو گئے اور چند دن کے اندر اندر اپنے خالق کے حضور حاضر ہو گئے۔ میاں بیوی کو بچے کی وفات کا سخت صدمہ ہوا۔ لیکن مشیت ایزدی میں کسے چارہ ہے!

خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھتیجے حکیم بن حزام سے ایک غلام

خرید کر اپنے خاوند کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ انہوں نے قاسم کا غم غلط کرنے کیلئے اسے متبنّیٰ بنا لیا اور اس کا نام زید رکھا۔ چنانچہ لوگ اسے زید بن محمدؐ کے نام سے پکارنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو واقعی زید سے اپنے بیٹے کی طرح محبت تھی۔ اسی اثناء میں زید کے والد اور چچا حارثہ اور کعب اپنے بیٹے کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے مکہ پہنچے۔ جب انہیں معلوم ہوا۔ کہ ان کا نورِ نظر محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس ہے۔ تو وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور درخواست کی کہ آپ ہم پر احسان فرما کر ہمارے بیٹے کو ہمارے حوالے کر دیں۔ اسکے عوض جو رقم آپ طلب کرینگے ہم آپ کی خدمت میں پیش کر دینگے۔

زید اس وقت موجود نہ تھے۔ آپ نے فرمایا "تمہارا بیٹا باہر گیا ہوا ہے۔ جب وہ آئے تو تم خود ہی اس سے دریافت کر لینا۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانے پر رضامند ہو گیا۔ تو میری طرف سے اسے لے جانے پر کوئی روک نہ ہوگی"۔

جب زید گھر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں بلایا۔ اور ان کے والد اور چچا کی طرف اشارہ کر کے کہا:۔

"انہیں پہچانتے ہو؟"

زید نے جواب دیا "کیوں نہیں۔ یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ یہ دونوں تمہیں لینے آئے ہیں۔ میں نے انہیں کہہ دیا ہے کہ اگر تم ان کے ساتھ جانا چاہو تو بخوشی جا سکتے ہو۔ میری طرف سے کسی قسم کی کوئی روک نہ ہو گی“۔

زید نے یہ سنتے ہی کہا:۔

”میں آپؐ سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔ آپ میرے نزدیک بمنزلہ باپ اور چچا کے ہیں۔ میں آپکو کس طرح چھوڑ سکتا ہوں؟“

یہ حیرت انگیز جواب سن کر زید کے والد اور چچا بولے:۔

”زید! تعجب ہے تم غلامی کو آزادی پر اور ایک غیر شخص کو اپنے والد، چچا اور رشتہ داروں پر ترجیح دے رہے ہو“۔

زید نے کہا:۔

”میرے لئے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی غلامی میں رہنا دُنیا جہان کی آزادی حاصل کرنے سے بہتر ہے۔ میں اپنے آقا کی رفاقت کو چھوڑ کر اپنے عزیز ترین رشتہ داروں تک کی رفاقت اختیار نہیں کر سکتا“۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے زید کی یہ گفتگو سنی تو وُہ اُسے لے کر خانہ کعبہ میں آئے اور بلند آواز سے اعلان کیا:۔

”لوگو! گواہ رہو کہ میں آج سے زید کو آزاد کرتا ہوں اور آئندہ یہ میرا وارث ہو گا اور میں اِس کا“۔

زینبؓ کے بعد رقیہؓ پیدا ہوئیں اور حسب دستورِ سابق انہیں بھی دودھ پلانے کے لئے دایہ کے سپرد کر دیا گیا۔ رقیہؓ ہوبہو اپنی والدہ کے مشابہ تھیں۔ رقیہ کے بعد یکے بعد دیگرے ام کلثومؓ اور فاطمہؓ کی ولادت ہوئی۔ فاطمہؓ کی ولادت اس سال ہوئی جب قریش نے کعبہ کی عمارت کو ڈھا کر اسے دوبارہ تعمیر کیا تھا۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی والدہ کے نام پر اس لڑکی کا نام فاطمہؓ رکھا۔

قحط سالی کے باعث یہ ایام قریش کیلئے سخت تنگی کے تھے۔ ابو طالب عیالدار آدمی تھے اور اتنے بڑے کنبے کے لئے روزی کا سامان مہیا کرنے میں انہیں سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اپنے چچا کی یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا عباسؓ سے جو بنو ہاشم میں سب سے مالدار شخص تھے، کہا:۔

”چچا! آپ کے بھائی ابو طالب کثیر العیال شخص ہیں۔ اور اتنے بڑے کنبے کا پیٹ پالنے میں اُنہیں جس تکلیف کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے وُہ آپ پر عیاں ہے۔ کیوں نہ ہم اُن کی تکلیف کم کرنے میں اُن کی مدد کریں، اور وہ اس طرح کہ ان کے ایک لڑکے کو لے کر آپ پرورش کیجئے۔ اور ایک لڑکے کو میں لے کر پرورش کرتا ہوں۔ اس طرح ہم انکا بوجھ کسی حد تک ہلکا کر دیں گے اور انہیں اطمینان کا سانس لینے کا

موقعہ مل سکے گا"۔

عباسؓ راضی ہو گئے اور یہ دونوں چچا بھتیجے ابوطالب کے پاس آئے اور اُن کے سامنے یہ پیشکش دُہرائی۔ ابوطالب نے کہا۔ تم عقیلؓ کو تو میرے پاس چھوڑ دو، ہاں علیؓ اور جعفرؓ کو اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؓ کو لے کر اُن کی پرورش شروع کر دی اور عباسؓ نے جعفرؓ کو اپنی تحویل میں لے لیا۔

علیؓ زینبؓ کے ہم عمر تھے۔ ان کی ولادت اسی سال ہوئی تھی جس سال زینبؓ پیدا ہوئی تھیں۔ اس کے بعد وہ تمام عمر اپنے چچیرے بھائی ہی کے زیرِ عاطفت رہے۔ اور ساری زندگی ان ہی کے پاس رہ کر گزار دی۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے دیور کی قدر و منزلت اور اعزاز و تکریم کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی اور ہمیشہ بیٹوں کی طرح ان سے سلوک کرتی رہیں۔

یہ خاندان ہنسی خوشی زندگی بسر کرتا رہا۔ خدیجہؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ داروں، بھائی بہنوں اور ان کے بچوں کی آمد و رفت سے اس گھر میں ہمیشہ رونق رہی۔

جب لڑکیاں جوان ہو گئیں تو والدین کو ان کی شادی کی فکر

ہوئی۔ چنانچہ سب سے بڑی لڑکی زینبؓ کی شادی اُن کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے ہوئی۔ اور رقیہؓ اور اُمِ کلثومؓ کی شادی اُنکے چچا زاد بھائیوں عتبہ اور عتیبہ بن عبد العزیٰ (ابو لہب) سے قرار پائی۔ فاطمہؓ ابھی کم سن تھیں۔ ان کا نکاح ان کی والدہ کی زندگی میں نہ ہو سکا۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلے ہی سے نیک دل اور نیک فطرت تھیں لیکن اپنے پاکباز اور با اخلاق شوہر کی صحبت میں رہ کر تو وہ مجسمۂ اخلاق بن گئیں ضعیفوں اور کمزوروں کی مدد کرنا اُنہوں نے اپنا فرض قرار دے لیا اور ان کا گھر مصیبت زدہ لوگوں، محتاجوں، غریبوں، بیواؤں اور یتیموں کا مرجع بن گیا۔ جو شخص اپنی حاجت لے کر آتا، خدیجہ رضی اللہ عنہا کا دستِ سخا فوراً اس کی طرف اُٹھتا اور وہ مسرور و شادکام واپس جاتا۔

خلوت نشینی اور نزولِ وحی

جب آپ کی عمر (۶) سال سے متجاوز ہو گئی تو آپ خلوت و گوشہ نشینی کی طرف زیادہ رغبت ہونے لگی

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خلوت گزینی اور گوشہ نشینی کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ مکّہ سے شمالی جانب دو فرسخ کے فاصلے پر ایک پہاڑ جبل حرا تھا۔ اس پہاڑ پر لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ایک غار تھا۔ جس میں بمشکل ایک آدمی سما سکتا تھا۔ اور اس تک پہنچنے کا راستہ انتہائی دشوار گزار تھا۔ خود یہ غار سخت تنگ و تاریک تھا۔ اور اس میں سورج کی کرنوں کا قطعی گذر نہ تھا۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے گوشہ نشینی کیلئے اس غار کو منتخب کیا۔ جب رمضان کا مہینہ آتا تو خدیجہ رضی اللہ عنہا آپکی ضرورت کا سامان تیار کر دیتیں۔ اور آپ مکّہ سے نکل کر شمال کا رُخ کرتے۔ بہزار تنگی و دُشواری اس دُشوار گزار پہاڑ پہ پہنچتے اور اس تنگ و تاریک غار میں فروکش ہو جاتے۔

وہاں بیٹھ کر آپ نظامِ کائنات کا مطالعہ کرتے، زندگی کے

نشیب و فراز پر نظر دوڑاتے۔ اس عالمِ کون ومکان کے اسرار و رموز کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے۔ اور انسان کی بے ثباتی پر غور کرتے اس عادت کی بدولت آپؐ کے لئے غور وفکر کی کثیر راہیں کھل گئیں قلب کا آئینہ پہلے سے زیادہ صاف ہوگیا۔ رُوح میں مزید بالیدگی پیدا ہوگئی۔ دِل سے دُنیا کی محبت بالکل سرد ہوگئی۔ اور نظر میں دُنیوی نعماً کی کوئی حیثیت باقی نہ رہی ؎

رمضان کا مہینہ گزار کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبل حراء سے مکہ واپس آجاتے۔ لیکن مہینہ بھر کی عبادت و ریاضت کا اثر اُن کے چہرے سے ہویدا ہوتا، اور خشیۃ اللہ ان کے روئیں روئیں سے ٹپکتی ہوتی۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کو دیکھ کر باغ باغ ہوجاتیں اور پہلے سے بھی بڑھ کر اپنے آپکو ان کی خدمت اور آرام کے لئے وقف کردیتیں۔ شوہر کے چہرے پر تفکرات کے آثار دیکھ کر ان کی وجہ دریافت کرتیں اور انہیں تسلی تشفی دینے کی کوشش کرتیں۔ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوتا کہ وہ اپنے شوہر کا کھانا غارِ حراء پر خود لے کر جاتیں۔ اور سخت محنت ومشقت اور تکلیف اُٹھا کر انہیں دے کر آتیں ؎

رمضان کے مہینے میں جبل حراء پر جاکر ریاضت اور عبادت کرنے کا سلسلہ کئی سال جاری رہا اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ

علیہ وسلّم کا نفس لاشعوری طور پر آہستہ آہستہ اس کلام الٰہی کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہوتا رہا جس کا عنقریب نازل ہونا مقدّر ہو چکا تھا۔ اپنے شوہر کی صحبت میں رہ کر خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نفس بھی باطل کی تمام آلودگیوں سے پاک ہو چکا تھا۔ اور وُہ بھی پیغامِ الٰہی سُن کر اُسے فی الفور قبول کرنے کے لئے تیار ہو چکی تھیں ؞

اس نازک دور میں خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کی حد سے زیادہ دلداری کرتی رہتی تھیں۔ انہیں تسلّی تشفی اور اطمینان دلانے کے لئے بسا اوقات خود ان کے ساتھ جایا کرتی تھیں۔ اگر آنے میں دیر ہو جاتی تھی تو لوگوں کو اُن کی تلاش میں بھیجتی تھیں۔ جب آپؐ غار سے واپس آتے تھے تو اُنہیں آرام و سکون پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتی تھیں۔ یہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لئے انتہائی گھبراہٹ اور بے چینی کا تھا۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا ان کی اس گھبراہٹ کو دُور کرنے کے لئے ہر وقت کوشاں رہتی تھیں ؞

دریں اثناء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر رؤیائے صالحہ کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ یہ رؤیا صبح کی روشنی کی مانند واضح اور صاف ہوتے تھے ؞

ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غارِ حرا سے واپسی

میں غیر معمولی دیر ہو گئی۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بے چین ہو کر مختلف لوگوں کو مکہ کے اطراف میں آپ کی تلاش میں بھیجا لیکن کسی کو سُراغ نہ ملا۔ اور سب ناکام واپس آئے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی گھبراہٹ کی انتہا نہ رہی۔ اور اُنہوں نے خیال کیا کہ نہ معلوم اُن کے شوہر پر کیا اُفتاد پڑی ٭

کچھ دیر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت گھبرائے ہوئے گھر میں داخل ہوئے اور کہا۔ "مجھے کپڑا اُڑھا دو۔ مجھے کپڑا اُڑھا دو۔" خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں فوراً کپڑا اڑھا دیا۔ جب حضورؐ کی گھبراہٹ دُور ہوئی۔ تو اُنہوں نے پوچھا:-

"اے ابو القاسمؐ! آپ کہاں تھے؟ میں نے تو لوگوں کو آپ کی تلاش میں مکہ کے اطراف تک بھیجا لیکن سب ناکام واپس آ گئے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا:-

"آج میرے ساتھ عجیب ماجرا گذرا۔ میں غارِ حراء میں سو رہا تھا کہ ایک شخص دیباج میں لپٹی ہوئی کتاب لے کر میرے پاس آیا۔ اور کہا "پڑھو"۔ میں نے جواب دیا۔ "میں پڑھنا نہیں جانتا"۔ یہ سُن کر اُس نے مجھے سینے سے لگا کر اتنا بھینچا کہ مجھے موت کا مزا آ گیا۔ اس کے بعد اُس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا "پڑھو"۔ میں نے تیسری بار

بھی وہی جواب دیا کہ مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ اس پر اس شخص نے کہا:۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۔ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۔ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

(ترجمہ) "پڑھ اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اپنے پاک پروردگار کی تعریف کے ساتھ جس نے انسان کو قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ جس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا"

یہ سن کر میں نے بھی یہ الفاظ اسی طرح دہرائے۔ جس طرح اس شخص نے دہرائے تھے۔ اس کے بعد وہ شخص غائب ہو گیا اور میں لرزاں و ترساں گھر روانہ ہو گیا۔ مجھے سخت گھبراہٹ اور اپنی جان کا خوف ہے"

خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بہت غور سے یہ باتیں سنیں اور پھر کہا:۔

"خدا کی قسم! اللہ آپ کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ آپ رشتہ داروں سے حسن سلوک سے پیش آتے ہیں۔ غریبوں اور محتاجوں کی مدد

کرتے ہیں۔ ضعیفوں اور کمزوروں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں۔ بیوہ اور نادار عورتوں کی ضروریات کا خیال رکھتے ہیں۔ مصیبت زدہ لوگوں کی ہر طرح اعانت کرتے ہیں۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ آپؐ کو چھوڑ دے"۔

اس کے بعد وُہ اٹھیں اور آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں اور سارا ماجرا کہہ سُنایا۔ انھوں نے سُن کر کہا:۔

"اے میرے بھتیجے! تُجھے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ وُہ شخص جو تجھے غارِ حرا میں دکھائی دیا کوئی معمولی شخص نہ تھا۔ بلکہ وُہ ناموسِ اکبر (جبریلؑ) تھا جو اس سے قبل موسیٰؑ کے پاس خُدا کا پیغام لے کر آیا تھا۔ یقیناً خُدا تعالےٰ نے تجھے بھی نبوّت سے سرفراز کیا ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ دیگر انبیاءؑ کی طرح تیری قوم بھی تیری سخت مخالفت کرے گی۔ کاش! میں اس دن تیری مدد کے لئے زندہ رہتا۔ جب تیری قوم تجھے وطن سے نکال دے گی"۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے تعجب سے پُوچھا:۔

"مجھے؟ میری قوم مجھے وطن سے نکال دے گی؟"

ورقہ نے جواب دیا:۔

"ہاں کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کی قوم اس کے ساتھ عداوت سے پیش نہ آئی ہو۔ بہرحال اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو تیری بھرپور اعانت کروں گا۔"

اس واقعہ کے بعد ایک روز پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ حرا میں مصروفِ عبادت تھے کہ وہی فرشتہ پھر نظر آیا۔ اور اس صورت میں نظر آیا کہ اس کا اوپر کا دھڑ آسمان میں تھا اور ٹانگیں زمین میں۔ یہ دیکھ کر آپ پھر گھبرائے ہوئے گھر آئے اور خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا "مجھے کپڑا اڑھا دو" انہوں نے کپڑا اُڑھا دیا۔ اسی حالت میں وحی نازل ہوئی :-

یَا اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝

(ترجمہ) "اے کپڑا اوڑھنے والے! کھڑا ہو اور لوگوں کو ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑوں کو پاک کر اور گندگی کو چھوڑ دے۔ اور کسی پر احسان نہ جتا۔ اور اپنے رب کی خاطر صبر اختیار کر"۔

یہ تھی وہ پہلی وحی جس کے ذریعے اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو بنی نوعِ انسان کی ہدایت کا کام سپرد کیا۔ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

نے روزِ اوّل سے اس عظیم الشان کام میں آپؐ کی اعانت شروع کر دی ۔

اس کے بعد کچھ عرصہ کے لئے وحی کا سلسلہ رُک گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لئے یہ زمانہ انتہائی صبر آزما ثابت ہوا۔ آپؐ پہ شدید گھبراہٹ طاری تھی۔ اور خیال کرتے تھے کہ نہ معلوم کیا بات ہوئی جو میرے رب نے اپنا کلام مجھ سے منقطع کر دیا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ مجھ سے ناراض ہو گیا ہو ۔

آخر ایک لمبے عرصے کے بعد وحی کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ اور اللہ تعالےٰ نے آپؐ پر یہ آیات نازل فرمائیں :-

وَالضُّحٰى ۙ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ؕ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ؕ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۠ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۠ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ؕ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ؕ وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ؕ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۠

(ترجمہ) "چاشت کے وقت کی قسم اور رات کی قسم جب وہ

چھا جائے کہ نہ تیرے رب نے تجھے چھوڑا اور نہ وہ تجھ سے ناراض ہوا۔ آخرت تیرے لئے اس پہلی زندگی سے بہتر ہے۔ اور عنقریب تیرا رب تجھے بہت کچھ عطا فرمائے گا۔ پس تو خوش ہو جائے گا۔ کیا اس نے تجھے یتیمی کی حالت میں پاکر پناہ نہیں دی؟ کیا اس نے تجھے راہِ حق میں سرگردان پاکر ہدایت نہیں دی؟ کیا اس نے تجھے غربت کی حالت سے نکال کر امیر نہیں بنایا؟ اس لئے تو بھی یتیموں سے سختی سے پیش نہ آ۔ اور سائل کو کبھی نہ جھڑک۔ اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا ہمیشہ ذکر کرتا رہ"۔

وحی کے دوبارہ جاری ہونے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیحد خوشی ہوئی۔ اور آپ کا قلق اور اضطراب دُور ہو کر کامل اطمینان نصیب ہو گیا۔ اس کے بعد آیات متواتر نازل ہوتی رہیں اور وحی کا سلسلہ دوبارہ منقطع نہیں ہوا۔

جس وقت نماز فرض ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کے بالائی حصہ میں تھے۔ جبریلؑ نے وہاں آکر آپؐ کو وضو اور نماز کا طریقہ بتایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدیجہؓ کے پاس آئے اور انہیں بتایا۔ کہ آئندہ ہم پر اللہ تعالیٰ نے نماز فرض کر دی ہے۔ چنانچہ دونوں نے وضو کیا اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔

ابھی دونوں نماز پڑھ ہی رہے تھے۔ کہ علیؑ ابن ابی طالب گھر میں داخل ہوئے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ دونوں میاں بیوی کبھی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کبھی رکوع میں چلے جاتے ہیں۔ کبھی سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ وُہ حیران و ششدر کھڑے یہ ماجرا دیکھتے رہے۔ آخر جب وُہ نماز سے فارغ ہوئے تو اُنہوں نے پوچھا کہ آپ دونوں کیا کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نزولِ وحی کا تمام واقعہ بتایا۔ یہ سُن کر حضرت علیؑ فوراً ایمان لے آئے۔ اس وقت ان کی عمر آٹھ سال سے متجاوز نہ تھی ؎

(۷)

اسلام قبول کرنے کے بعد تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حالت میں ایک انقلاب آگیا۔ اب اُنہیں رات دن اسی بات کی دُھن تھی کہ اُن کا ایک ایک لمحہ اس نئے دین کی خدمت کے لئے وقف ہو۔ اور وہ قربِ الٰہی کے مراحل تیزی سے طے کر سکیں۔ ایمان اور عرفان کا جو بلند مقام ابتداء ہی میں حضرت خدیجہؓ کو حاصل ہو گیا تھا بعض صحابہؓ برسوں کی محنت و مشقت اور ریاضت کے بعد بھی حاصل نہ کر سکے۔ انہیں دینِ اسلام اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عشقِ صادق تھا۔ اور اسی عشق کی بدولت وُہ ان بلند ترین رُوحانی مدارج تک پہنچ گئیں جن تک پہنچنا ہر شخص کے بس کی بات نہ تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو قربِ الٰہی کا جو بلند مقام حاصل تھا اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:-

"میرے پاس جبریلؑ تشریف لائے اور کہا، یا رسُول اللہ! خدیجہؓ کو آپ کے رب نے سلام کہلا کر بھیجا ہے۔ جب وُہ آئیں تو اُنہیں یہ سلام پہنچا دیں"۔

اس حدیث سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بلند مرتبہ کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ جس خاتون کو اللہ تعالیٰ خود سلام بھیجے اُس کے مرتبے کا کیا ٹھکانا؟

اسلام نے آہستہ آہستہ پھیلنا شروع کیا۔ اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اقرباء، دوست اور ملنے جلنے والے یکے بعد دیگرے اس نئے دین کی آغوش میں آنے لگے۔ ابتدائی مسلمانوں میں حضرت خدیجہؓ کے علاوہ تین اَور اصحاب شامل تھے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے چچازاد بھائی علیؓ بن ابی طالب، آپ کے آزاد کردہ غلام اور متبنّٰی زیدؓ بن حارثہ اور گہرے دوست ابوبکرؓ بن ابی قحافہ۔

ان ابتدائی مسلمانوں کو معلوم تھا کہ قریش موجودہ صورتِ حال کو زیادہ عرصہ تک برداشت نہ کر سکیں گے۔ بُت پرستی قریش کی گُھٹّی میں پڑی ہوئی تھی اور وہ اپنے آبائی عقیدے کے خلاف ایک لفظ سُننے کے لئے تیار نہ تھے۔ لیکن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا سارا مشن ہی بُت پرستی کی مخالفت اور خداوندِ تعالیٰ کی وحدانیت کی تبلیغ پر مبنی

[illegible]

یہ پہلا خون تھا جو راہِ اسلام میں بہایا گیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بھی قریش کی مخالفت کا راز پوشیدہ نہ تھا۔ انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی ضرور مدد کرے گا اور ایک نہ ایک دن اُسے دیگر تمام ادیانِ باطلہ پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ لیکن

ساتھ ہی اُنہیں یہ بھی معلوم تھا۔ کہ اسلام کے خلاف قریش کی ریشہ دوانیاں ایک دن ضرور رنگ لائیں گی۔ اور وہ مخالفت جو ابھی تک سینوں میں پوشیدہ ہے کھُلم کھلا ظاہر ہو کر دیگر مسلمانوں کے علاوہ ان کے محبوب شوہر اور خود ان کیلئے مصائب اور آلام کا دروازہ کھول دے گی۔ چنانچہ اسکے آثار چند ہی دِنوں میں ظاہر ہونے لگے اور معاملہ زبانی مخالفت سے بڑھ کر جبر و تشدّد تک جا پہنچا۔ عورت اگرچہ فطرتاً کمزور ہوتی ہے۔ لیکن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پائے استقلال میں جُنبش تک نہ آئی اور وہ مردانہ وار ان تمام مصائب و آلام کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہوگئیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی زینبؓ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن زینبؓ کے شوہر ابوالعاص جو حضرت خدیجہؓ کے بھانجے تھے، بدستور حالت کفر پر قائم تھے۔ ابوالعاص کی والدہ اور خدیجہؓ کی سگی بہن ہالہ بھی ہنوز نعمتِ اسلام سے محروم تھیں۔ رقیہؓ اور اُمّ کلثومؓ بھی اسلام لے آئی تھیں۔ لیکن ان کے شوہر عتبہ اور عتیبہ نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ فاطمہؓ کی ابھی تک شادی ہی نہ ہوئی تھی۔ اس طرح گو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام بیٹیاں نعمتِ اسلام سے مشرف ہو چکی تھیں لیکن ان کے شوہر حالتِ کفر پر قائم تھے۔ گویا یہ اس بات کی علامت تھی کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو صرف

قریش کی مخالفت کا سامنا کرنا نہیں پڑیگا بلکہ اپنے قریبی اور عزیز ترین رشتہ داروں کی مخالفت بھی مول لینی پڑیگی۔ تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے آنے والے خطرات اور مصائب کی پروا نہ کی اور بڑے اطمینان سے تبلیغِ حق کے کام میں مصروف رہے۔ اس کام میں حضرت خدیجہؓ بھی ان کی برابر کی شریک تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دِل میں ایک خواہش بڑی دیر سے پرورش پا رہی تھی۔ اور وہ یہ کہ جہاں اللہ تعالےٰ نے انہیں لڑکیوں سے نوازا ہے وہاں ان کی گود لڑکوں سے بھی خالی نہ رہے اور اللہ تعالےٰ اس نعمت سے بھی انہیں بہرہ ور فرمائے۔ اس خواہش نے بایں وجہ اَور بھی شدت اختیار کر لی تھی کہ عرب اس شخص کو جس کے ہاں لڑکے پیدا نہ ہوتے تھے حقارت کے باعث اَبتر کہا کرتے تھے۔ لیکن جس شخص کے ہاں لڑکے پیدا ہوتے تھے، اُسے بہت عزت اور تکریم کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا۔ کہ آئندہ چل کر یہ لڑکے اپنے باپ کے زورِ بازو ثابت ہونگے اور انہی کے ذریعے والد کو قبیلے میں قوّت و شوکت اور عزّت و تکریم حاصل ہوگی۔

زمانہ گذرتا گیا۔ اور لڑکے کے بارے میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اُمید مدھم ہوتی گئی۔ کیونکہ اب اُن کی عمر ساٹھ برس کے لگ بھگ

ہو چکی تھی۔ اور اس عمر میں اولاد پیدا ہونے کی اُمید کم ہی ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیٹیوں سے اتنی محبت تھی کہ شاید ہی کسی باپ کو اپنے بیٹوں سے ہو۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بیٹے کی خواہش آپ کو بھی تھی۔ قبل ازیں ایک لڑکا قاسم پیدا ہوا تھا لیکن مشیتِ ایزدی سے وہ شیر خواری کی حالت میں فوت ہو گیا تھا۔

بالآخر حضرت خدیجہؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش پوری ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک فرزند عطا کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا نام اپنے والد کے نام پر عبداللہ رکھا۔ اور لقب طاہر اور طیب۔ اس مسرت میں میاں بیوی کو ان مصائب اور تکالیف کا بھی احساس نہ رہا جو قریش کی ایذا رسانی کے باعث انہیں اُٹھانے پڑ رہے تھے۔ لیکن منشائے الٰہی کچھ اور ہی تھا۔ میاں بیوی بچے کی پیدائش کی خوشی سے پوری طرح شادکام ہونے نہ پائے تھے کہ اللہ تعالےٰ نے اسے بھی اپنے پاس بلا لیا۔

عبداللہ کی وفات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لئے بہت بڑے صدمے کا باعث تھی۔ یہ صدمہ اس لحاظ سے اور بھی دلخراش تھا کہ آئندہ اولاد ہونے کی امید بالکل منقطع ہو چکی تھی لیکن حضرت خدیجہؓ

نہایت صابر و شاکر خاتون تھیں۔ اسلام نے ان کی نیک خصلتوں کو اور بھی اُجاگر کر دیا تھا۔ اس لئے اُنہوں نے بڑے صبر کے ساتھ اس صدمہ کو برداشت کیا اور جزع فزع کا کوئی لفظ مُنہ سے نہ نکالا۔ تاہم رنج و الم فطری بات ہے اور اس سے کسی شخص کو بھی مفر نہیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی بیٹے کی وفات کا بُہت صدمہ تھا۔ لیکن آپ نے بھی اس موقعہ پر صبر کا کامل نمونہ دِکھایا اور اس طرح اپنے نمونے سے دُوسرے مُسلمانوں کے لئے اعلیٰ مثال قائم کر دی۔

(۸)

مسلمانوں کو مکّہ کی گھاٹیوں میں خفیہ طور پر نمازیں ادا کرتے ہوئے تین سال ہو گئے تھے۔ اس دوران میں اِکّا دُکّا لوگ اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ قریش نے ابتدا میں اس نئے دین کو تمسخر اور استہزاء کی نظر سے دیکھا۔ لیکن جب اُنہیں یقین ہو گیا کہ مسلمان اپنے کام سے باز آنے والے نہیں اور یہ سلسلہ آہستہ آہستہ وسعت اختیار کرتا چلا جائے گا تو انہیں بے حد تشویش پیدا ہوئی اور اُنہوں نے اس نئی تحریک کو دبانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

اسی دوران میں جب کہ مسلمانوں کو بزور دبانے کے ارادے کئے جا رہے تھے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر یہ وحی نازل ہوئی:۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ٥ وَاخْفِضْ.

جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ فَاِنْ
عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۔

(ترجمہ) اے نبیؐ! اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ اور اپنے مومن متبعین کے ساتھ نرمی اور اُلفت کا سلوک کرو۔ پھر اگر لوگ تمہاری نافرمانی کریں اور تمہاری بات ماننے سے انکار کر دیں تو کہو کہ میں ان باتوں سے بری ہوں جو تم کرتے ہو"۔

آپ کے رشتے دار پکّے بت پرست تھے۔ اور معبودانِ باطلہ کی محبت اُن کے دلوں میں راسخ ہو چکی تھی۔ اُنہیں اپنے آبائی دین سے ہٹا کر ایک نئے دین کی طرف راغب کرنا آسان کام نہ تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدائی احکام کے آگے ان مشکلات کی مطلق پروا نہ کی۔ آپ کوہِ صفا پر چڑھے اور بلند آواز سے فرمایا:۔

"اے بنو عبدالمطلب! اے بنو عبد مناف! اے بنو اسد! پہاڑ پر جمع ہو جاؤ اور میری بات سنو"۔

لوگ جوق در جوق کوہِ صفا پر پہنچنے شروع ہوئے۔ جب تمام لوگ جمع ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"اے لوگو! اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ دشمن کا ایک لشکر اس پہاڑ کے دامن میں چھپا ہوا ہے۔ اور موقعہ پا کر تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔

تو کیا تم میری بات مان لوگے"؟

سب لوگوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا :-

"یقیناً۔ ہم نے آج تک آپکے مُنہ سے کوئی جھوٹی بات نہیں سُنی"۔

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

"تب میں تمہیں اس ہولناک عذاب سے ڈراتا ہوں جو عنقریب تم پر نازل ہونے والا ہے۔ اس سے بچاؤ کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ بتوں کی عبادت ترک کر دو اور خدائے واحد کے پرستار بن جاؤ"۔

یہ سُن کر آپ کا چچا عبدالعزیٰ (ابولہب) بولا :-

"تجھ پر خدا کی مار (نعوذ باللہ) کیا ایسی فضول بات کیلئے تُو نے ہمیں یہاں جمع کیا تھا"؟

یہ کہہ کر وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ دوسرے لوگ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اُڑاتے ہوئے گھروں کی راہ لی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت کبیدہ خاطر کوہ صفا سے اُترے اور گھر پہنچ کر خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تمام واقعہ ذکر کیا۔ اُنہیں یہ سُن کر بیحد تعجب ہوا کہ سب سے پہلے جس شخص نے مخالفت پر کمر باندھی وہ

ان کے خاوند کا سب سے قریبی رشتہ دار تھا۔ اگر سگے چچا کی یہ حالت ہے کہ وہ خدائی پیغام کا ایک لفظ سننے کے لئے تیار نہیں، تو باقی رشتہ داروں تک کس طرح پیغامِ حق پہنچایا جا سکتا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی طرح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بھی یقین تھا کہ اللہ تعالےٰ اپنے دین کو ہرگز ذلیل نہیں کریگا۔ اور خواہ قریش مخالفت پر کتنی ہی کمر باندھیں بالآخر اسلام ہی کا بول بالا ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ آیات نازل ہوئیں۔ جن میں مخالفین کی ناکامی اور نامرادی کے متعلق کھلے الفاظ میں خبر دی گئی تھی:۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۞ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ
وَمَا كَسَبَ ۞ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۞ وَّامْرَاَتُهٗ
حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۞ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۞

(ترجمہ) "ہلاک ہوگئے ابو لہب (عبدالعزیٰ) کے دونوں ہاتھ اور وہ خود بھی ہلاک ہو گیا۔ نہ اُس کا مال اُسکے کام آیا اور نہ وُہ جو اس نے کمایا۔ عنقریب وُہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا اور اس کی بیوی بھی جو ایندھن اُٹھایا کرتی ہے۔ اس کی گردن میں مُونج کا پھندا ہے"۔

اس آیت کے نزول سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم

کا سارا ہم وغم زائل ہوگیا۔ آپ کو یقینِ کامل تھا کہ خدا تعالےٰ کی پیشگوئی کے مطابق ابو لہب اور اس کی بیوی ام جمیل پر ضرور عذاب نازل ہوگا۔ اور اس کی مال و دولت اور اولاد اسے اس عذاب سے بچا نہ سکے گی ؀

ابو لہب اور اس کی بیوی کے کانوں تک جب یہ پیشگوئی پہنچی، تو ان کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے خلاف الزام تراشی کے لئے اور تو کوئی بہانہ ملا نہیں، انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فقر و فاقہ کا حال بیان کر کے آپؐ کی تحقیر کرنی شروع کر دی۔ اس کام میں ام جمیل پیش پیش تھی کیونکہ اسے یہ زعم تھا کہ وہ قریش کے سردار ابو سفیان کی بیٹی ہے۔

ابُو لہب کا غصہ اس پر بھی ٹھنڈا نہ ہوا۔ اس نے اپنے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کو بلایا اور کہا :-

"اگر تم نے محمدؐ کی بیٹیوں کو فی الفور طلاق نہ دی تو میرا تم سے کوئی تعلق نہ ہوگا"

لڑکوں کی والدہ امِ جمیل نے بھی اپنے شوہر کی تائید کی۔ اور بڑی سختی سے انہیں اپنی بیویوں کو طلاق دینے کو کہا ؀

ابھی تک رقیہؓ اور امّ کلثومؓ کا رخصتانہ نہ ہُوا تھا۔ عتبہ اور

عتیبہ کو بحالتِ مجبوری اُنہیں طلاق دینی پڑی۔ لیکن رنج والم سے ان کا بُرا حال تھا۔

ابو لہب اور اس کی بیوی کا خیال تھا۔ کہ ان کے بھتیجے کیلئے یہ امر شدید صدمے کا باعث ہوگا۔ لیکن یہ ان کی محض خوش فہمی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اس سے زیادہ خوش کن خبر اور کوئی نہ ہو سکتی تھی کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی خاص تدبیر کے ذریعے آپ کی لڑکیوں کو ایک بدترین مکذّب اور مکفّر کے گھر میں جانے سے بچا لیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بھی اس واقعہ سے بیحد خوشی ہوئی۔

جب حضرت عثمانؓ کو پتہ چلا کہ عتبہ اور عتیبہ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضورؐ کی بڑی بیٹی رقیہؓ کے لئے اپنا پیغام دیا۔ حضورؐ نے بخوشی قبول فرما لیا۔ ابو لہب نے اپنی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زک پہنچانے کی کوشش کی تھی، لیکن اللہ تعالےٰ نے فوراً اس کا تدارک کر دیا اور رقیہؓ کے لئے ایسا شوہر مہیا کر دیا جو بلحاظ اسلام، اخلاص وعقیدت، مال و دولت، حسب و نسب اور شرف و عزت ہر لحاظ سے ممتاز تھا۔

اب اُمّ جمیل کو بھی احساس ہوا کہ اس نے رُقیہؓ اور اُمّ کلثومؓ

کو طلاق دلوا کر اپنے بیٹوں ہی کے ساتھ دشمنی کی ہے۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ اس وجہ سے اس کے جذبۂ بغض و حسد میں اَور زیادتی ہو گئی اور وہ نت نئی تدابیر کے ذریعے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایذائیں پہنچانے میں مصروف ہو گئی۔ اس کام میں اس کا بدبخت شوہر بھی پوری طرح شریک تھا۔

(۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدائی احکام کے مطابق تندہی سے اپنی قوم کو اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ یہ کام جس قدر مشکل تھا اس کا اندازہ کوئی شخص بھی نہیں کر سکتا لیکن حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تمام مصائب اور مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے ہمہ تن اس عظیم الشان کام میں مصروف رہے۔ اس کام میں مدد دینے کے لئے اللہ تعالےٰ نے جس پاک ہستی کو چنا وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں جنہوں نے اپنی جان اور مال سب کچھ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر قربان کر دیا ؂

جب قریش نے تبلیغ کا سلسلہ بڑھتے دیکھا تو اُن کے سربرآوردہ اشخاص جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کے پاس آئے اور کہنے لگے:۔

"ابُوطالب! تمہارے بھتیجے کی وجہ سے تمام قوم سخت مصیبت میں

مُبتلا ہو گئی ہے ۔ وُہ ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتا ہے ۔ ہمارے دین میں خرابیاں نکالتا ہے ۔ ہمارے معزز لوگوں کی عزت و ناموس کے درپے رہتا ہے ۔ ہمارے بزرگوں اور آبا و اجداد کو گمراہ ٹھہراتا ہے ۔ اب صورت حال ناقابلِ برداشت ہو گئی ہے ۔ یا تو اسے روک لو یا ہمیں اجازت دو کہ ہم خود اس سے نبٹ لیں ۔ چونکہ تم بھی ہمارے ہی دین کے پیرو ہو اس لئے ہم تم سے درخواست کرتے ہیں کہ خدارا اس صورتِ حال کا تدارک کرو ۔"

ابوطالب نے بڑی نرمی سے اُن کے ساتھ گفتگو کی ۔ اور انہیں سمجھا بجھا کر واپس کر دیا ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بدستور تبلیغ اسلام میں مصروف اور اعلاء کلمۃ الحق میں مشغول تھے ۔ تمام دن اس کام میں مصروف رہنے کے بعد جب شام کو آپؐ گھر لوٹتے تو خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ان تمام مشکلات اور مصائب کا ذکر کرتے جو اس راہ میں آپؐ کو پیش پیش آتی تھیں ۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا اگرچہ اپنے شوہر کی تکالیف کے باعث سخت بے چین رہتی تھیں ، لیکن وہ انہیں برابر تسلّی دیتی رہتی تھیں ۔ مُونس و غم خوار بیوی کی تشفّی آمیز گفتگو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے دل کو تسکین ہو جاتی تھی ۔ قریش کی مخالفت

کا غم دل سے دُور ہو جاتا تھا۔ اور آپ تازہ جوش اور نئے ولولے کے ساتھ تبلیغِ اسلام کے کام میں منہمک ہو جاتے تھے ۔

جب قریش نے دیکھا کہ یہ سلسلہ کسی طرح نہیں رُکتا۔ تو وہ دُوسری بار ابو طالب کے پاس آئے اور کہنے لگے :-

"ابو طالب! ہمارے دلوں میں تمہاری بڑی قدر و منزلت ہے اور ہم تمہاری عزت کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم نے تم سے درخواست کی تھی کہ تم اپنے بھتیجے کو ان ناروا باتوں سے روک دو جو وہ آجکل کر رہا ہے۔ لیکن تم نے ہماری درخواست پر مطلق کان نہ دھرا اور اپنے بھتیجے کو ان باتوں سے منع نہ کیا۔ اب ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ آئندہ اپنے آباؤ اجداد کی توہین اور اپنے بتوں کی تذلیل کسی طرح برداشت نہ کرینگے۔ ہم تمہیں آخری موقعہ دیتے ہیں۔ یا تو اپنے بھتیجے کو روک لو۔ ورنہ ہم تمہارا اور اس کا مقابلہ کرینگے، اور اس وقت تک بس نہ کرینگے جب تک دونوں فریقوں میں سے ایک تباہ و برباد نہ ہو جائے"۔

یہ کہہ کر وہ واپس چلے گئے ۔

یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ ابو طالب کو سخت فکر ہوا کہ اگر قوم نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور ان کے مقابلے پر کمربستہ ہو گئی تو کیا ہو گا۔ انہوں نے بہت کچھ غور و فکر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا۔

اور کہا :۔

"بھتیجے ! تیری قوم تیری شکایت لے کر میرے پاس آئی تھی۔ اسے یہ شکوہ ہے کہ تو ان کے معبودوں کو گالیاں دیتا ہے۔ اور اُن کے آبا واجداد کی توہین کرتا ہے۔ تو مجھ پر اور اپنی جان پہ رحم کر اور مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈال جسے میں اُٹھا نہ سکوں "۔

ابو طالبؑ کی یہ بات سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہو گیا۔ کہ چچا کے پائے استقلال میں بھی جنبش آگئی ہے۔ اور وہ آئندہ ان کی حمایت اور مدد کرنے سے قاصر ہیں۔ لیکن آپ پامردی کے ساتھ اپنے موقف پر قائم رہے۔ اور بڑی استقامت کیساتھ جواب دیا۔

"چچا ! اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں لا کھڑا کریں، تب بھی میں اس کام کو جسے اللہ تعالےٰ نے میرے سپرد کیا ہے اس وقت تک ترک نہ کروں گا جب تک اللہ تعالےٰ مجھے غلبہ عطا نہ فرمائے یا میں اس راہ میں ہلاک نہ ہو جاؤں "۔

یہ کہتے کہتے حضورؐ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور آپ کھڑے ہو گئے۔ یہ اولوالعزمانہ جواب سن کر ابو طالب پر بھی رقت طاری ہو گئی اور اُنہوں نے کہا :۔

بھتیجے ! جاؤ اور بدستور اپنے کام میں لگے رہو۔ جب تک میرے دم

میں دم ہے میں تمہاری حمایت اور نصرت کروں گا اور حتی المقدور تمہیں دشمنوں کی ایذا رسانی سے بچاؤں گا۔"

جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو طالب کی اس گفتگو کا علم ہوا تو انہیں بے حد تشویش پیدا ہوئی۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ اب قریش کا غیظ و غضب انتہا کو پہنچ گیا ہے اور اب وہ اُن کے شوہر اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور تکالیف دینے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھیں گے۔

قریش کو بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ابو طالب نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ چھوڑنے سے قطعی انکار کر دیا ہے اور وہ بدستور اُن کی حمایت و نصرت پر کمر بستہ ہیں۔ اُنہوں نے ایک آخری کوشش اَور کر دیکھنے کا ارادہ کیا۔ ایک نوجوان کو اُنہوں نے اپنے ساتھ لیا۔ اور ابو طالب کے پاس پہنچ کر کہنے لگے:۔

"ابو طالب! یہ قریش کا سب سے خوبرو اور عقلمند نوجوان ہے تم اسے لے کر اپنا بیٹا بنا لو اور اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دو۔ اُس نے ایک فساد مچایا ہوا ہے اور باپ بیٹوں، بہن بھائیوں اور زن و شوہر میں جدائی ڈال دی ہے۔ اس جرم کی پاداش میں ہم سے قتل کر دیں گے اور اس طرح قوم کو ایک فتنہ سے نجات مل

جائے گی۔

ابو طالب نے یہ سن کر جواب دیا:۔

"خوب! یہ اچھا سودا ہے۔ تمہارے بیٹے کو لیکر پرورش کروں اور اپنے بیٹے کو قتل کرنے کیلئے تمہارے حوالے کردوں۔ خدا کی قسم! ایسا کبھی نہ ہوگا"۔

وفد میں سے ایک شخص بولا:۔

"ابو طالب! خدا کی قسم، تمہاری قوم نے تم پر ہر طرح اتمام حجت کردی ہے۔ اس معاملہ کو سلجھانے کے لئے ہر قسم کے طریقے تمہارے سامنے پیش کئے جاچکے ہیں لیکن تم کسی طریق کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اب تم خود ہی بتاؤ کہ قوم تمہارے ساتھ کیا سلوک کرے"۔

ابو طالب نے جواب دیا:۔

"خدا کی قسم! میرے ساتھ انصاف نہیں کیا جارہا۔ اسکے برعکس قوم نے میرے خلاف ایکا کر لیا ہے اور میرا ساتھ چھوڑ دینے کی تدابیر بروئے کار لائی جارہی ہیں۔ پس جو تمہارا جی چاہے کرو تمہیں اختیار ہے"۔

قریش کو ابو طالب کا یہ کورا جواب سن کر سخت طیش آیا اور انہوں نے پوری قوت سے مسلمانوں کو ملیامیٹ کرنے کا تہیہ کر لیا۔ ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا۔ اور ایذا رسانی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا گیا۔ قریش کے تمام خاندان بیک وقت مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے

ہوئے اور ظلم و تعدّی کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔

ان پُر آشوب ایّام میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ایک دن کے لئے بھی یہ امر فراموش نہ کیا۔ کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی رفیقِ حیات ہونے کے علاوہ ان کی حیثیت ام المؤمنین کی بھی ہے اس دوران میں اُنہوں نے مسلمانوں سے ماں سے بھی زیادہ شفقت و رأفت کا سلوک کیا۔ ان کا گھر ہر حاجت مند کے لئے کُھلا تھا۔ ان کا ہاتھ ہر ضرورت مند کی امداد کے لئے دراز تھا۔ اور ان کی پوری جدّوجہد مسلمانوں کو کفّار سے رہائی دلانے کے لئے صرف ہو رہی تھی مکّہ کے کئی غلاموں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور اس کی پاداش میں ان کے مالک ان پر سخت ظُلم ڈھا رہے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان میں سے بیشتر غلاموں کو خرید کر آزاد کر دیا۔ اور اس طرح انہیں ان کے ظالم آقاؤں کے پنجوں سے رہائی دلائی۔

ادھر جب ابوطالب نے دیکھا کہ قریش کے مظالم میں روز بروز زیادتی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ تو اُنھوں نے تمام بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو اکٹھا کیا۔ اور خاندان کی عزّت و ناموس کا واسطہ دے کر ان سے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی مدد کرنے کی درخواست کی۔ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب پر اس التجا کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ اور وہ اختلافِ

مذہب کے باوجود اپنے بھتیجے کی حمایت و نصرت کیلئے کھڑے ہو گئے ۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ دیکھ کر قدرے اطمینان ہُوا کہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب نے اُن کے شوہر کی مدد اور نصرت کرنے کا وعدہ کر لیا ہے ۔ لیکن انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ قریش اپنے بد ارادوں سے ٹلنے والے نہیں ۔ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کی حمایت کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم و ارادہ میں پہلے سے زیادہ پختگی پیدا ہو جائیگی لیکن یہی امر قریش کو مزید اشتعال دلانے کا باعث بھی بن جائے گا ۔ اور وہ اپنی مخالفت کو تیز تر کر دینگے ۔ کل تک انہیں صرف ایک آدمی کا مقابلہ درپیش تھا لیکن اب پورے قبیلے کا مقابلہ کرنا پڑے گا ۔ اور اسی کے مناسب حال وُہ اپنی مخالفانہ سرگرمیوں میں کئی گُنا اضافہ کر دینگے ۔ گو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پیش آمدہ خطرات کا پوری طرح علم تھا لیکن اُنہوں نے گھبراہٹ اور بے چینی کا خفیف سا اظہار بھی نہ کیا اور ان تمام مصائب کا مقابلہ کرنے کے لئے پُوری طرح تیار رہیں جو اُن کے شوہر کے علاوہ خود ان پر بھی نازل ہونے والی تھیں ۔

(۱۰)

اگر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی اَور عورت کو اس قسم کے ہولناک مصائب درپیش ہوتے تو یقیناً وہ ہمت ہار بیٹھتی۔ اس کے عقیدے میں تزلزل واقع ہو جاتا۔ اور وہ اپنے لئے عافیت کی راہ تلاش کرنے میں مصروف ہو جاتی۔ لیکن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تمام مشکلات اور آفات کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور ایک لمحے کیلئے بھی تردد اور بے چینی کا اظہار نہ کیا۔

انہیں معلوم تھا کہ خواہ کسی شخص کو اپنی قوم میں کتنا بڑا مرتبہ ہی کیوں نہ حاصل ہو لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد اس کا سارا مرتبہ خاک میں مل جاتا ہے۔ اگر وہ تاجر ہے تو اس کی تجارت ختم ہو جاتی ہے اگر مالدار ہے تو ہر ممکن طریقے سے اس کا مال و دولت ہتھیانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر معزز شخص ہے تو لوگ اس کی عزت و ناموس کے

دب پے ہو جاتے ہیں اور اگر کمزور اور ضعیف ہے تو اس پر نت نئے مظالم توڑے جاتے ہیں۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ بھی علم تھا کہ ہر قبیلے میں کمزور مسلمانوں پہ بدترین مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ ان کی روزی کے وسائل بند کئے جاتے ہیں۔ کھانے پینے کی چیزوں کو اُن کے پاس پہنچنے سے روک دیا جاتا ہے۔ اور ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے کہ وُہ اسلام چھوڑ دیں۔

انہیں یہ بھی علم تھا کہ تپتی ہوئی دوپہر میں مسلمانوں کو مکہ کی پتھریلی زمین پر گھسیٹا جاتا ہے۔ ان کے سینوں پر بھاری پتھر رکھے جاتے ہیں تاکہ وہ ان مظالم کی تاب نہ لاتے ہوئے اسلام کو ترک کرنے کا اعلان کر دیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ سنگدل کفار عورتوں پر بھی رحم نہیں کرتے۔ اسلام لانے کی پاداش میں وہ انہیں اس قدر زدوکوب کرتے ہیں کہ وہ مرنے کے قریب ہو جاتی ہیں بعض عورتوں کو اس قدر ستاتے ہیں کہ اُن کی آنکھیں ضائع ہو جاتی ہیں بعض عورتوں کے پیٹ پھاڑ ڈالتے ہیں اور ان کی انتڑیاں باہر نکل آتی ہیں۔

ان مظالم کو دیکھ کر انہیں اپنی بیٹی رقیہؓ اور داماد عثمانؓ کے متعلق بھی ہر وقت خدشہ لگا رہتا تھا۔ ابولہب اور اُس کی بیوی اُمِ جمیل کی

آتشِ حسد پہلے سے زیادہ بھڑک رہی تھی۔ اور وُہ دونوں اس انتظار میں تھے کہ کب موقعہ ملے اور وُہ اِن دونوں میاں بیوی سے اپنی نامرادی کا بدلہ لیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ بھی معلوم تھا کہ جس وقت قریش کا جوش اپنی انتہا کو پہنچ جائے گا اور نفرت کی وُہ آگ جو ان کے سینوں میں سلگ رہی ہے بھڑک اُٹھے گی، تو نہ ابو طالب اپنے بھتیجے کی حفاظت کر سکیں گے اور نہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو قریش کا مقابلہ کرنے کا یارا ہوگا۔

ان تمام خدشات اور مہیب خطرات کے باوجود حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے عزم و استقلال میں مطلق فرق نہ آیا اور وُہ بدستور مُحتاجوں اور مصیبت زدہ لوگوں کی امداد میں مشغول رہیں اور مسلمان غلاموں اور لونڈیوں کو خرید کر انہیں ان کے مالکوں کے ظلم و ستم سے رہائی دلاتی رہیں۔

جب قریشِ مکہ کے مظالم کسی طرح کم نہ ہوئے تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کا ارشاد فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہاں کے نیک دل بادشاہ نجاشی کی سلطنت میں کسی شخص پر ظلم نہیں ہوتا۔ اس لئے مسلمان وہاں جا کر اپنے آپ کو فتنہ سے

بچائیں اور اپنے دین کی حفاظت کریں۔ اور جب تک اللہ تعالیٰ اُن کیلئے امن و امان کا کوئی اَور سامان مہیا نہ کر دے اس وقت تک وہیں مقیم رہیں ٭

مسلمان کوچ کی تیاریوں میں منہمک تھے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا انہیں تسلّی تشفّی دینے میں مشغول تھیں۔ جس شخص کو مال کی ضرورت تھی خدیجہؓ کا مال اس کے لئے حاضر تھا، اور جس شخص کو زادِ راہ کی ضرورت تھی خدیجہؓ کا غلّہ اس کے لئے وقف تھا ٭

اوّلین ہجرت کرنے والوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے داماد عثمانؓ، بیٹی رقیہؓ اور بھتیجے زبیرؓ بن عوام بھی شامل تھے۔ ان عزیز ترین وجودوں کی جدائی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لئے عظیم صدمہ سے کم نہ تھی لیکن وُہ اسے ظاہر نہ ہونے دیتی تھیں۔ یہ مہاجرین خُفیہ طور پر مکّہ سے نکلے اور ایک قریبی بندرگاہ شعیبہ پہنچے۔ وہاں حسنِ اتّفاق سے انہیں دو کشتیاں مل گئیں جن میں تجارتی مال لاد کر حبشہ لے جایا جا رہا تھا۔ یہ لوگ ان میں سوار ہو کر حبشہ پہنچ گئے ٭

جب قریش کو ان لوگوں کے حبشہ جانے کا علم ہُوا تو اُن کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی۔ اُنھوں نے فوراً چند آدمیوں کو اُن کی تلاش میں دوڑایا۔ لیکن جب یہ لوگ سمندر پر پہنچے تو کشتیاں

روانہ ہو چکی تھیں۔ چنانچہ انہیں خائب و خاسر ہو کر واپس آنا پڑا۔ اس ناکامی سے قریش کو اور طیش آیا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مکہ میں مقیم باقی مسلمانوں کو پہلے سے زیادہ ایذائیں پہنچانے اور ان پر ظلم و ستم توڑنے کا ارادہ کر لیا۔

قریش کے متشددانہ رویہ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اندازہ ہو گیا تھا۔ کہ اب وہ بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب اور ابو طالب کی بھی مطلق پروا نہ کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شدید ایذائیں پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مکہ کے سربرآوردہ اشخاص ایک دن خانہ کعبہ میں جمع ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کر کے کہنے لگے کہ "ہم نے محمدؐ کے بارے میں صبر اور تحمل کا جو مظاہرہ کیا ہے آج تک کسی اور شخص کے متعلق نہیں کیا۔ لیکن اس پر بھی یہ باز نہیں آتا اور بدستور ہمارے بزرگوں کی تحقیر و تذلیل کرنے، ہمارے معبودوں کا مذاق اڑانے اور ہم میں تفرقہ ڈالنے میں مصروف ہے۔ آخر صبر کی بھی کوئی انتہا ہونی چاہئے"۔

ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی خانہ کعبہ کا طواف کرنے کی غرض سے وہاں آ پہنچے جب انہوں نے قریش کا مجمع دیکھا تو موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے انہیں تبلیغ

شروع کر دی۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے دلوں پر ایسا رُعب طاری کر دیا کہ کہاں تو وُہ پہلے بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہے تھے۔ اور اب ہر ایک کی زبان بند ہو گئی۔ اور وُہ ایک لفظ اپنے مُنہ سے نہ نکال سکے۔

اگلے روز قریش پھر خانۂ کعبہ میں جمع ہوئے اور کہنے لگے۔

"کل جو کچھ ہُوا، تم نے دیکھ ہی لیا۔ پہلے تو محمدؐ کے خلاف بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہے تھے لیکن جب وُہ تمہارے سامنے آیا اور اس نے وہی باتیں کرنی شروع کر دیں جنہیں تم سخت ناپسند کرتے ہو، تو تم نے ایک لفظ بھی مُنہ سے نہ نکالا"۔

ابھی وُہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بھی تشریف لے آئے۔ جب اُنہوں نے حضورؐ کو دیکھا تو وُہ سب مل کر آپؐ پر ٹوٹ پڑے اور کہنے لگے۔

"تُو ہی ہمارے معبُودوں کو بُرا بھلا کہتا ہے اور ہمارے عقائد کی ہنسی اُڑاتا ہے"؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جواب دیا۔

"ہاں میں ہی ایسا کرتا ہُوں اور اس میں حق بجانب ہُوں۔ میں پھر کہتا ہُوں کہ یہ بُت تمہارے کسی کام نہیں آسکتے۔ انہیں چھوڑ دو اور خُدائے واحد کی عبودیت اختیار کرو"۔

یہ سن کر ایک آدمی نے اپنی چادر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گلے میں ڈال کر اسے دونوں جانب سے کھینچنا شروع کیا۔ قریب تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھیں باہر نکل پڑتیں اور آپ کا دم گھٹ جاتا، کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے اس آدمی کو دھکا دے کر پیچھے ہٹایا اور روتے ہوئے کہا :-

"اے لوگو! کیا تم ایک آدمی کو محض اس لئے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے"؟

ان واقعات کے باعث حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہر وقت سخت تشویش لاحق رہتی تھی۔ اُن کا خیال تھا کہ جو لوگ آپ سے اس قدر بیدردانہ اور بہیمانہ سلوک کر سکتے ہیں وہ کل کو آپ کے خلاف قتل کا منصوبہ بھی تیار کر سکتے ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اضطراب کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے۔ کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھر پہنچنے میں دیر ہو گئی۔ وہ سخت بے چین ہو کر انہیں ڈھونڈنے کے لئے نکلیں۔ راستے میں جبریلؑ انہیں انسانی شکل میں ملے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سخت تشویش پیدا ہوئی

کہ کہیں یہ آدمی حضورؐ کو قتل کرنے کے ارادے سے تو نہیں آیا۔ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا:۔

"وہ جبریلؑ تھے۔ انہوں نے تمہیں سلام کہا ہے اور تمہیں جنت کی خوشخبری دی ہے، جہاں سونے کے محلات ہونگے اور ہر طرف امن اور چین کا دور دورہ ہوگا۔"

(۱۱)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے رشتہ داروں کے طرزِ عمل کے متعلق بھی کچھ روشنی ڈالی جائے اور بتایا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُن کا سلوک کس قسم کا تھا۔

دیگر اہلِ عرب کے علاوہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بیشتر رشتہ دار بھی بُتوں کے والہ و شیدا، لات، منات اور عزّیٰ کے پرستار تھے۔ اور اُن کے خلاف ایک لفظ سُننا گوارا نہ کر سکتے تھے البتہ ان کے بعض عزیز ایسے بھی تھے جنہیں بُتوں سے نفرت تھی اور انہوں نے اپنا آبائی دین چھوڑ کر عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔

جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوئی تو ان کے رشتہ داروں میں سے کسی کو بھی یہ رشتہ ناگوار نہ گذرا۔ کیونکہ کوئی شخص بھی ایسا نہ تھا جسے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بے نظیر اخلاق و عادات، شرافت اور حسب و نسب کا علم نہ ہو۔ شادی کے بعد بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تعلق اپنے رشتہ داروں سے ویسا ہی استوار رہا جیسا شادی سے قبل تھا۔ اور وُہ ان سے بدستور شفقت و محبت اور اُلفت و رأفت سے پیش آتی رہیں۔ ان کے گھر کا دروازہ اپنے عزیزوں کی پذیرائی کیلئے ہر وقت کُھلا رہتا تھا۔ اور ان کا مال ان کی امداد کے لئے بدستور خرچ ہوتا رہتا تھا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو مقام رسالت پر فائز کیا گیا اور آپؐ نے اہلِ مکّہ تک پیغام حق پہنچانا شروع کیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے رشتہ داروں کا رویہ بھی دیگر قریش سے مختلف نہ تھا۔ بعض نے آپؐ کی دعوت کو قبول کر لیا۔ لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ بعض دل سے تو حضورؐ کی صداقت کے قائل تھے۔ لیکن کُھلم کُھلا اس کا اظہار کرنے کی جرأت نہ کرتے تھے۔ بعض صریح مخالفت پر اُتر آئے اور دیگر قریش کے ساتھ مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مقابلے پر کمربستہ ہو گئے۔

ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچیرے بھائی تھے انہیں ابتداء ہی سے بُت پرستی سے نفرت تھی۔ تلاشِ حق کی خاطر اُنہوں

نے دیگر مذاہب کی تعلیمات اور کتب کا مطالعہ کیا اور بہت کچھ غور و فکر کے بعد نصرانیت قبول کرلی۔ یہی وہ بزرگ تھے جنہوں نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اور حضورؐ کو قریش کی مخالفت سے خبردار کیا تھا۔ لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعویٰ رسالت سے قبل ہی انتقال کر گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے بے حد محبت تھی اور آپؐ کبھی یہ برداشت نہ کرسکتے تھے کہ آپؐ کے سامنے کوئی شخص انہیں برا بھلا کہے۔ ایک مرتبہ ورقہ کے بھائی کی کسی شخص سے لڑائی ہوگئی۔ جب وہ شخص ورقہ سے ملا تو انہیں برا بھلا کہنا شروع کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس واقعہ کا علم ہوگیا۔ آپؐ نے اس شخص کو بلا کر اس حرکت سے منع فرمایا۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے چچیرے بھائی کا بیحد احترام کرتی تھیں اور ہر اہم کام میں ان سے ضرور مشورہ لیتی تھیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا "ورقہ کا کیا حال ہے"؟

حضورؐ نے جواب دیا۔

"میں نے انہیں سفید کپڑے پہنے دیکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہشت میں داخل فرمایا ہے۔ کیونکہ اگر وہ

دوزخ میں ہوتے تو کبھی سفید کپڑے پہنے ہوئے نہ ہوتے"۔

ست پہلے شوہروں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی جتنی اولاد ہوئی تھی وُہ سب اسلام لے آئی۔ ہند کی پرورش تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی۔ فصاحت و بلاغت میں انہیں کمال حاصل تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال بیان کرتے۔ تو لوگوں کے سامنے حضور کی تصویر کھینچ دیتے تھے۔ وُہ کہا کرتے تھے:۔

میں قریش کا معزز ترین فرد ہُوں۔ میرے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ والدہ خدیجہؓ ہیں۔ بھائی قاسمؓ ہیں اور بہن فاطمہؓ ہیں"۔

ہالہ بھی اسلام لے آئے تھے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لمبی صحبت نصیب ہوئی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی ہند نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ اُن کی شادی اُن کے چچازاد بھائی سیفی مخزومی سے ہوئی۔

آلِ خویلد میں سے جس شخص نے صغر سنی کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی اختیار کی وہ زبیر بن عوام تھے۔ وُہ بارہ برس کی عُمر میں اور بعض روایتوں کے بموجب آٹھ برس کی عُمر میں اسلام لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے بے حد محبت

کرتے تھے۔ اور ان کی فرمائش کبھی نہ ٹالتے تھے۔ انہی کے متعلق حضورؐ کا یہ ارشاد بھی ہے :۔

" ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرے حواری زبیر ہیں "۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھائی نوفل اسلام کا شدید دشمن تھا۔ لیکن تعجب خیز امر یہ ہے کہ اُس کے لڑکے اسود کو اللہ تعالٰی نے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمادی اور اس کی پاداش میں اسے مشرکین مکہ اور اپنے باپ کے ہاتھوں شدید تکالیف اُٹھانی پڑیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم دیا تو اسود بھی ان مہاجرین میں شامل تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ایک اَور بھائی حزام کے لڑکے خالد کو بھی اللہ تعالٰی نے حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والوں میں یہ آخری شخص تھے لیکن انہیں حبشہ پہنچنا نصیب نہ ہوا اور وہ راستے ہی میں وفات پا گئے۔ اُن کے چچا زاد بھائی زبیر بن عوام کہا کرتے تھے کہ میں اس زمانہ میں حبشہ میں تھا۔ اور مجھے خالد کے پہنچنے کا روزانہ انتظار رہتا تھا۔ جتنا صدمہ مجھے خالد کی وفات کی خبر سے ہوا اَور کسی بات سے نہ ہوا۔ کیونکہ وہ قبیلہ اسد بن عبدالعزیٰ سے تھے۔ اور سرزمینِ حبشہ میں میرے علاوہ اَور

کوئی شخص اس قبیلہ سے تعلق نہ رکھتا تھا۔

ان لوگوں میں جنہوں نے اسلام تو قبول نہ کیا لیکن خدیجہ رضی اللہ عنہا کا خیال کر کے مخالفت بھی نہ کی' ایک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ تھیں۔ گو انہیں آغاز میں اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل نہ ہوا لیکن وہ کبھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت پر آمادہ نہ ہوئیں۔ اُن کے لڑکے ابوالعاص کا شمار مکّہ کے مالدار تاجروں میں ہوتا تھا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بہت محبت تھی۔ اور وہ اکثر حضورؐ ہی کے گھر میں رہتے تھے۔ اسی تعلق کی وجہ سے آپ نے اپنی لڑکی زینبؓ کا نکاح ان سے کر دیا تھا۔ گو اُنہوں نے بھی ابتدا میں اسلام قبول نہ کیا لیکن اپنی بیوی کو اسلام قبول کرنے کی وجہ سے کبھی تکلیف نہ دی۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکی شرافت کے بیحد معترف تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ابوالعاص نے دامادی کا حق بہت اچھی طرح ادا کیا ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام کو بھی ابتداء میں اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب نہ ہوئی۔ وہ ساداتِ قریش میں سے تھے۔ اور علم الانساب کے بہت بڑے ماہر تھے۔ رفادۃ اور دارالندوہ کا انتظام انہی کے سپرد تھا۔ وہ بچپن کے زمانے سے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوست تھے اور جنگِ فجار میں ایکدوسرے

کے دوش بدوش حصّہ لے چکے تھے۔ گو وہ ابتدائی مسلمانوں میں سے نہ تھے لیکن اُنھوں نے دوستی اور مصاہرت کا حق اچھی طرح ادا کیا اور مشرکین کے مقابلے میں ہمیشہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور آپ کے صحابہؓ کی مدد کی۔

حضرت خدیجہؓ کا چچا ہبار رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا شدید دشمن اور بہت بدزبان شخص تھا مسلمانوں کو اُس کے ہاتھوں بہت تکلیفیں پہنچیں۔ اس کی ایذا رسانیاں یہاں تک بڑھ چکی تھیں کہ بعد میں ایک مرتبہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مسلمانوں کو ارشاد فرمایا تھا کہ اگر تمہیں ہبار مل جائے تو اُسے جلا دو۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے عداوت میں جو شخص سب سے بڑھا ہُوا تھا وہ حضرت خدیجہؓ کا بھائی نوفل تھا۔ وہ پکّا شیطان اور انتہائی ظالم شخص تھا۔ اپنے والد عوام کی وفات کے بعد جب زبیرؓ اس کی زیر سرپرستی آئے تو یہ انہیں چٹائی میں لپیٹ کر اُن کی ناک میں دھواں داخل کیا کرتا تھا۔ تا وہ اس ظلم و ستم سے تنگ آکر اسلام کو خیرباد کہہ دیں لیکن زبیرؓ نے استقامت کا کامل ثبوت دیا اور اسلام ترک کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔ اس شخص نے حضرت ابوبکرؓ صدیق اور حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ کو ایک رسّی سے باندھ کر زدوکوب کیا تھا حضرت خدیجہؓ

کو اپنے بھائی کی عداوت سے بے حد رنج ہوتا تھا لیکن وُہ بے بس تھیں کچھ کر نہ سکتی تھیں ۔

نوفل اپنی شقاوت اور عداوت میں بڑھتا ہی چلا گیا۔ اپنی بہن کی وفات کے بعد تو اس کی دشمنی انتہا کو پہنچ گئی۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے دُعا فرمائی کہ اے اللہ! ہمیں نوفل بن خویلد کے مظالم سے نجات دے۔ جنگِ بدر میں یہ جبار بن صخر کے ہاتھ آ گیا۔ اور اُنھوں نے اسے قید کر لیا۔ وہ اسے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں لے جا رہے تھے کہ راستے میں حضرت علیؓ مل گئے۔ انھیں اس کی دشمنی اور ظلم وستم کا حال خوب معلوم تھا۔ اُنھوں نے نوفل کی منتوں اور واسطوں کے باوجود تلوار نکال کر اس کی گردن اُڑا دی۔ جب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اس کے قتل کی خبر پہنچی تو آپؐ نے فرمایا۔

"خدا تعالےٰ کا شکر ہے جس نے نوفل کے بارے میں میری دُعا قبول فرمالی"۔

(۱۲)

اِن دردناک ایام میں جب ہر چہار جانب سے مصائب اور آفات کا سلسلہ جاری تھا۔ خدا تعالےٰ نے مسلمانوں کے لئے تقویت کا ایک سامان بہم پہنچا دیا اور وہ اس طرح کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہ بن عبدالطلب کو، جو قریش میں بلند شخصیت کے مالک اور بہت بہادر شخص تھے، ایک ناگہانی واقعہ کے نتیجہ میں اسلام قبول کرنے کی توفیق مرحمت فرمادی۔

یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہ صفا کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے کہ ابوجہل کا ادھر سے گزر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے ہی اس نے واہی تباہی بکنا شروع کر دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی مغلظات کو خاموشی سے بیٹھے سنتے رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ عبداللہ بن جدعان کی کنیز

لونڈی پہاڑ کے اوپر اپنے مکان کے دروازے سے یہ سب ماجرا دیکھ رہی تھی۔ اسے یہ دیکھ کر بہت رنج ہوا۔ کچھ دیر کے بعد حمزہ بھی وہاں سے گذرے۔ وہ شکار کھیل کر واپس آرہے تھے اور کمان ان کے پہلو میں لٹک رہی تھی۔ عبداللہ بن جدعان کی لونڈی نے انہیں روک کر سارا واقعہ سنایا جسے سن کر حمزہ کے غیظ وغضب کی انتہا نہ رہی۔ وہ غصے میں بھرے ہوئے اسی وقت خانۂ کعبہ میں پہنچے جہاں ابوجہل مجلس لگائے بڑے فخر سے اپنا آج کا کارنامہ بیان کر رہا تھا۔ حمزہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اپنی کمان زور سے اس کے سر پر مار کر اسے زخمی کر دیا اور کہا۔

" او نامرد انسان! تو محمدؐ کو کمزور پا کر اس پر ظلم وستم توڑتا اور اسے گالیاں دیتا ہے۔ دیکھ میں بھی اسی کا دین قبول کرتا ہوں۔ اگر ایسا ہی تجھے اپنی طاقت پر گھمنڈ ہے تو میرے مقابلے میں آکر اپنی طاقت آزما "۔

وہاں سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور اسلام قبول کر لیا۔ دیگر مسلمانوں کی طرح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بھی حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے سے بے حد خوشی ہوئی۔

ایک مرتبہ اعیانِ قریش نے اپنا ایلچی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیج کر انہیں خانۂ کعبہ میں بلایا۔ حضرت خدیجہؓ کو

خیال پیدا ہُوا کہ شاید قریش کے دِلوں پر پڑے ہوئے دبیز پردے ہٹ گئے ہیں۔ اور اُنھوں نے تحقیقِ حق کی غرض سے حضورؐ کو اپنے پاس بُلایا ہے۔ لیکن زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اُنھوں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کو نہایت مغموم واپس آتے دیکھا۔ وہ حضورؐ کو اس حالت میں دیکھ کر بُہت بے چین ہوئیں اور واقعہ دریافت کیا *

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔

"اس وقت قریش کے تمام خاندانوں کے سردار خانۂ کعبہ میں جمع تھے۔ جب مَیں ان کے پاس پہنچا تو کہنے لگے " محمدؐ! ہم نے تمہیں اس وقت ایک نہایت ضروری کام کے لئے بُلایا ہے۔ تم نے اپنی قوم میں جو فساد مچایا ہُوا ہے، خدا کی قسم! عربوں میں سے کسی شخص نے آج تک ایسا فساد نہ مچایا ہوگا۔ ہمارے آبا و اجداد کی توہین کرنا تمہارا محبوب مشغلہ بن گیا ہے۔ ہمارے عقائد کی تحقیر کئے بغیر تمہیں چین نہیں آتا۔ ہمارے بتوں کو بُرا بھلا کہنا اور ہمارے قابلِ تعظیم بزرگوں کی ہنسی اُڑانا تمہارا شیوہ بن چکا ہے۔ رشتے داروں اور دوستوں میں تُم نے جُدائی ڈال دی ہے۔ غرضیکہ کوئی بُرا کام ایسا نہیں جو تم نہ کر رہے ہو۔ تُم بتاؤ تو سہی آخر اس فساد انگیزی سے تمہارا مقصد کیا ہے۔ اگر تمہیں مال کی حاجت ہو تو ہم تمہارے لیئے اس قدر مال اکٹھا کئے دیتے ہیں کہ قریش کے سب سے

مالدار آدمی بن جاؤ۔ اگر تمہیں نام و نمود کی خواہش ہے تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں۔ اگر بادشاہت کا لالچ ہے تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اگر کسی جادُو کی وجہ سے تمہارا یہ حال ہوگیا ہے تو ہم اپنا مال و دولت تمہارے علاج پر صرف کرنے کے لئے تیار ہیں۔ تمہاری جو خواہش ہے وہ تم ہمارے سامنے بیان کرو۔ ہم اسے پورا کرینگے لیکن خدا کے لئے ہمارے بتوں کو بُرا بھلا کہنا اور ہمارے عقائد کی تحقیر کرنا چھوڑ دو ''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ قصہ سُناتے ہوئے کہا کہ میں نے یہ سُن کر انہیں جواب دیا:

"تم لوگ کس قسم کی باتیں کر رہے ہو۔ مجھے نہ مال و دولت کی خواہش ہے نہ شرف و عزت کی۔ نہ میں نام و نمود کا بھوکا ہوں نہ بادشاہت کا۔ تمہارا بادشاہ صرف اللہ تعالےٰ ہے اور اسی نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر کتاب اُتاری ہے۔ اسی نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں سامنے تبلیغ حق کا فریضہ ادا کروں۔ لہٰذا میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیتا ہوں۔ میں یہ باتیں محض ازراہِ خیر خواہی کہہ رہا ہوں۔ اگر تم انہیں قبول کر لوگے تو دُنیا اور آخرت میں فلاح پاؤ گے۔ اگر رد کر دو گے تو میں صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ

کر دے"۔

یہ باتیں سُنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا :۔
"دراصل قریش کا منشاء مجھے قتل کرنے کا ہے لیکن اس سے قبل وہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب پر یہ ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم نے تو محمدؐ کو سمجھانے اور اسے راہِ راست پہ لانے کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار کی لیکن وہ ہماری ایک بھی بات قبول کرنے اور ہماری التجاؤں پر کان دھرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اس لئے اب ہم آزاد ہیں کہ اس سے جو سلوک چاہیں کریں"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا یہ اندیشہ صحیح ثابت ہوا حضورؐ کے چلے آنے کے بعد ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا :۔
"تم نے دیکھ لیا کہ محمدؐ نے تمہاری التجاؤں کو کس طرح بپایۂ حقارت ٹھکرا دیا۔ اب میں اسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑوں گا"۔

چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نماز پڑھنے کے لئے خانۂ کعبہ میں تشریف لائے تو ابوجہل ایک پتھر لے کر کونہ میں چھپ گیا کہ جب حضورؐ سجدہ میں جائینگے تو اس پتھر سے ان کا سر کچل دُوں گا۔ چنانچہ جب حضورؐ سجدہ میں گئے تو وُہ پتھر لیکر آگے بڑھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ایسا تصرّف ہُوا کہ وُہ فوراً ہی گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا اور اسے اپنا ناپاک ارادہ

پورا کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

جب بنو عبد مناف نے دیکھا کہ قریش اُنکے قبیلے کے ایک معزز فرد کے قتل کے درپے ہیں تو وُہ پہلے سے بھی بڑھ چڑھ کر آپ کی حفاظت پر کمربستہ ہو گئے۔ اور اُنہوں نے تہیہ کر لیا کہ وُہ مر مٹیں گے مگر محمدؐ پر آنچ نہ آنے دیں گے۔

اسی دوران میں اللہ تعالیٰ کا مزید فضل یہ ہوا کہ اسلام کے ایک شدید مخالف عمر بن خطاب جن کی بہادری اور جرأت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ ان کے اسلام لانے سے بھی مسلمانوں کو اتنی ہی تقویت پہنچی جتنی حضرت حمزہؓ کے اسلام قبول کرنے سے ہوئی تھی۔ اب تک مسلمان خانۂ کعبہ میں نماز پڑھنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے مسلمان ہوتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ مسلمانوں کو ساتھ لے کر خانۂ کعبہ پہنچے اور تمام کفّار کے سامنے علی الاعلان نماز ادا کی۔ کفّار نے مزاحمت بھی کی مگر حضرت عمرؓ نے ان کی مطلق پروا نہ کی۔

قریش کے لئے یہ زمانہ بہت پریشان کن تھا۔ مکّہ کے بیشتر مسلمان مکّہ سے نکل کر حبشہ پہنچ چکے تھے۔ اور وہاں امن و امان کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ قریش نے انہیں واپس لانے کے لئے جو وفد روانہ کئے تھے، نجاشی شاہ حبشہ نے انہیں خائب و خاسر واپس کر دیا تھا۔ اِدھر مکّہ

میں حمزہؓ بن عبدالمطلب اور عمرؓ بن خطاب جیسے بہادر اور سرکردہ اصحاب اسلام قبول کر چکے تھے۔ مکہ کے علاوہ دیگر قبائل میں بھی اسلام پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیئے قریش کے سربرآوردہ اشخاص دارالندوہ میں جمع ہوئے۔ اور وہاں یہ طے پایا کہ بنوہاشم اور بنوعبدالمطلب کا مکمل بائیکاٹ کر دیا جائے۔ نہ ان سے شادی بیاہ کا سلسلہ قائم کیا جائے۔ نہ ان سے کسی قسم کی خرید و فروخت کی جائے اور نہ ان سے میل ملاپ رکھا جائے۔ یہ بائیکاٹ اس وقت تک جاری رہے جب تک وہ محمدؐ کو قتل کرنے کے لیئے ان کے حوالے نہ کر دیں۔ ایک کاغذ پر باقاعدہ معاہدہ لکھا گیا۔ اور اسے خانۂ کعبہ کی چھت کے ساتھ آویزاں کر دیا گیا۔

اس فیصلے کے بعد بنوہاشم اور بنوعبدالمطلب کے تمام افراد ابوطالب کے پاس جمع ہو گئے۔ ان میں مسلمان اور کافر کی تخصیص نہ تھی۔ ابوطالب انہیں لے کر مکہ سے باہر پہاڑ کی ایک گھاٹی میں چلے گئے جسے بعد میں اسی واقعہ کی مناسبت سے شعبِ ابوطالب کہا جانے لگا۔ حضرت خدیجہؓ اور انکے رشتہ دار بھی بنوہاشم کے ساتھ اسی گھاٹی میں منتقل ہو گئے اور بڑی خوشی سے خود بھی وہ تمام تکالیف برداشت کرنے کیلئے تیار

ہو گئے جو بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو اس بائیکاٹ کے نتیجے میں پیش آنے والی تھیں۔

البتہ ایک شخص ایسا تھا جس نے اس نازک وقت میں بھی اپنے خاندان کا ساتھ نہ دیا۔ اور وہ تھا ابُو لہب بن عبد المطلب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور آپؐ کے اہل وعیال سے اس کی دشمنی اس قدر شدید تھی کہ اس نے اپنے خاندان کے سامنے ذلیل ہونا پسند کر لیا لیکن باقی قبائل کے مقابلے میں ان کا ساتھ دینا گوارا نہ کیا۔ وہ دشمن قبائل کو اپنے خاندان کے خلاف اکساتا رہتا تھا اور اس غداری پہ ندامت کا احساس کرنے کی بجائے اپنے اس طرزِ عمل کو لوگوں کے سامنے فخریہ انداز میں بیان کرتا تھا۔

جب کبھی باہر سے کوئی قافلہ مکّہ آتا تو بنو ہاشم غلّہ خریدنے کیلئے اس کے پاس پہنچتے۔ لیکن ابُو لہب اُن سے باآوازِ بلند کہتا۔

"اے گروہِ تجار! تم اپنے غلّے کی قیمتیں اتنی زیادہ کر دو کہ محمدؐ کے ساتھی انہیں خرید ہی نہ سکیں۔ مَیں نہیں چاہتا کہ تمہیں تجارت میں کسی قسم کا نقصان برداشت کرنا پڑے۔"

یہ سُن کر تاجر اپنے سامان کی قیمتیں کئی گُنا بڑھا دیتے۔ بنو ہاشم اسقدر مہنگا غلّہ خریدنے کی سکت نہ رکھتے تھے۔ وہ مایوس ہو کر اپنے بچّوں

کے پاس واپس آجاتے تھے جو بھوک سے بلبلا رہے ہوتے تھے۔

بائیکاٹ اور محاصرے کا یہ زمانہ مسلمانوں اور بنو ہاشم کے لئے انتہائی صبر آزما ثابت ہُوا۔ قریش ان تک کھانے پینے کی کوئی چیز پہنچنے نہ دیتے تھے۔ بھوک اور پیاس کے باعث ان کے بچوں کے رونے کی آوازیں گھاٹی کے باہر قریش تک پہنچتی تھیں، لیکن ان سنگ دلوں کو مطلق رحم نہ آتا تھا۔ بھوک کی شدت کا یہ عالم تھا کہ وہ پتے چبا چبا کر گذارہ کرتے تھے۔ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ مجھے راستے میں ایک سوکھا چمڑا مل گیا۔ میں نے اسے اٹھا لیا اور اسے پانی میں ڈال دیا کہ نرم ہو جائیگا تو اسے ہی چبانے کی کوشش کروں گا۔ ان غریب و بیکس مسلمانوں کا بائیکاٹ کرنے والے غیر نہ تھے بلکہ ان کے اپنے قریبی رشتہ دار تھے۔ لیکن ان کی عداوت یہاں تک بڑھ چکی تھی کہ انہیں رشتہ داری کا پاس بھی نہ رہا تھا۔ اگر اہلِ مکہ میں سے چند ایسے رحم دل انسان نہ نکل آتے جو خفیہ طور پر مسلمانوں کو غلہ وغیرہ پہنچاتے رہتے تھے، تو یقیناً سب لوگ بھوک کی شدت سے ہلاک ہو جاتے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہ تمام زمانہ انتہائی صبر اور استقلال کے ساتھ گذارا۔ باوجودیکہ ان کی عُمر ساٹھ برس کے لگ بھگ ہو چکی تھی۔ لیکن انہوں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

سامنے تکلیف اور کرب کا اظہار نہ کیا۔ اس کٹھن دور میں وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مونس وغمخوار تھیں اور دیگر مسلمانوں کو بھی ہر وقت تسلّی تشفّی دیتی رہتی تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس وقت تمام مسلمانوں کے لئے نمونہ تھیں۔ ایک کمزور اور بوڑھی عورت کے صبر و استقلال اور طمانیت کا نظارہ دیکھ کر ان کے ایمان وایقان میں ہر دم زیادتی ہوتی رہتی تھی۔ اور بے چینی اور مایوسی اُن کے قریب تک پھٹکتی تھی۔

اس نازک وقت میں حضرت خدیجہؓ کے بعض عزیز قریش کی نظروں سے چھپاکر مسلمانوں کو کھانا پہنچاتے رہتے تھے۔ اس کام میں اُن کے بھتیجے حکیم بن حزام پیش پیش تھے۔ گو انہیں ابھی تک اسلام قبول کرنے کی توفیق نہیں ملی تھی۔

ایک دن ابو جہل نے حکیم کو ایک غلام کے ساتھ شعب ابو طالب میں غلّہ لے جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ وہ فوراً ان کے پاس پہنچا اور کہنے لگا۔ "تم بنو ہاشم کو غلّہ پہنچاتے ہو۔ تمہیں اس کا اختیار کس نے دیا ہے؟ میں بھی دیکھوں گا کہ آئندہ تم ان تک غلّہ کس طرح پہنچاتے ہو۔"

ابھی یہ جھگڑا ہو ہی رہا تھا کہ ابو البختری بن ہشام بھی وہاں آ پہنچا۔ اس نے پوچھا:-

"کیا بات ہے۔ تم دونوں کیوں جھگڑ رہے ہو؟"

ابوجہل نے جواب دیا :۔

"حکیم بن حزام بنو ہاشم کے پاس غلّہ لے جا رہا ہے"۔

ابوالبختری نے کہا :۔

"وہ اپنی چچی کے پاس غلّہ لے کر جا رہا ہے۔ تم اسے روکنے والے کون ہوتے ہو؟"

ابوجہل بولا :۔

"مَیں یہ غلّہ ہرگز نہیں لے جانے دُوں گا"۔

اس پر بات بڑھ گئی۔ ابوالبختری نے اُونٹ کا ڈنڈا اُٹھا کر ابوجہل کے سر پر مارا جس سے وُہ زخمی ہو گیا۔ حکیم بن حزام موقعہ پا کر غلّہ اپنی چچی کے پاس لے گئے۔ اُبوجہل نے بھی بات بڑھانی نہ چاہی۔ کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ اگر مُسلمانوں کو علم ہو گیا۔ کہ قریش میں آپس میں اختلاف برپا ہو گیا ہے۔ اور وُہ بائیکاٹ کے معاملے میں ایک دُوسرے کی مخالفت کرتے ہیں تو وہ ضرور اپنے حامیوں سے مل کر بائیکاٹ ختم کرانے کی کوشش کرینگے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس جتنا مال تھا۔ وُہ اس زمانہ میں اُنہوں نے مسلمانوں پر خرچ کر دیا۔ اسی طرح ابوطالب کا تمام مال بھی

بنو ہاشم پر حرج ہو گیا اور باہر سے غلہ منگانے کی کوئی سبیل نہ رہی قریب تھا کہ بنو ہاشم، بنو عبد المطلب اور تمام مسلمان مسلسل فاقے برداشت کرتے ہوئے ہلاک ہو جاتے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلع کیا کہ جس کاغذ پر کفار نے معاہدہ لکھا تھا اُسے دیمک چاٹ گئی ہے اور صرف اللہ کا نام باقی رہ گیا ہے۔ حضورؐ نے یہ بات حضرت خدیجہ سے بیان کی۔ اُنہوں نے مشورہ دیا کہ اسے ابوطالب کے سامنے بھی بیان کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوطالب سے بھی اس امر کا تذکرہ کر دیا۔

ابوطالب کفارِ قریش کے پاس آئے اور کہنے لگے:۔

"میرے بھتیجے نے مجھے بتایا ہے کہ تمہارے لکھے ہوئے معاہدہ کو دیمک چاٹ گئی ہے اور اس پہ صرف اللہ کا نام باقی رہ گیا ہے۔ اگر یہ بات سچ ہے تو تمہیں اپنے ظالمانہ طرزِ عمل کو ختم کرنا پڑیگا۔ لیکن اگر اُس نے خدانخواستہ جھوٹ بولا ہے تو مَیں تم سے وعدہ کرتا ہُوں کہ مَیں اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔ خواہ تم اسے قتل کرو خواہ چھوڑ دو۔"

ابوطالب کی یہ بات سُن کر ان لوگوں نے معاہدے کا کاغذ کعبہ کی چھت سے اُتارا۔ جب اسے کھولا گیا تو اس کی حالت بالکل ویسی ہی تھی جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی تھی۔

یہ دیکھ کر بعض لوگ جو اس ظالمانہ رویّہ کے خلاف تھے۔ لیکن قوم کی مخالفت کے باعث کچھ کر نہ سکتے تھے کہنے لگے کہ اب وقت آگیا ہے کہ اس ظالمانہ معاہدہ کو منسوخ کر دیا جائے۔ ابوجہل نے کہا "ہرگز نہیں۔ یہ معاہدہ منسوخ نہیں کیا جا سکتا" لیکن ایک شخص نے بڑھ کر اس معاہدہ کو چاک چاک کر دیا اور ابوجہل مُنہ دیکھتا رہ گیا۔ اسکے بعد وہ لوگ جو بنوہاشم کو اس ظالمانہ محاصرہ سے نجات دلانا چاہتے تھے، ہتھیار بند ہو کر شعبِ ابوطالب میں پہنچ گئے اور بحفاظت تمام مسلمانوں اور بنوہاشم کو وہاں سے نکال کر مکّہ میں لے آئے ۞

(۱۳)

تین سال کے شدید محاصرے کے بعد بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو شعب ابی طالب سے نکلنا نصیب ہوا۔ اس لمبے عرصہ میں اُنکے مردوں، عورتوں اور بچّوں کو جن تکالیف کا سامنا کرنا پڑا قلم کو یارا نہیں کہ اُن کا حال بیان کر سکے۔ لیکن اُنہوں نے انتہائی صبرو استقلال کے ساتھ یہ زمانہ گذارا۔ یہی صبرو استقلال تھا جسے دیکھ کر بعض شدید معاندینِ اسلام کے دل بھی پگھل گئے اور انہوں نے اپنی قوم کے اس ظالمانہ اور وحشیانہ طرزِ سلوک کے خلاف احتجاج شروع کر دیا۔

یُوں تو بیشتر لوگوں کی صحت پر اس طول طویل محاصرہ کا بہت بُرا اثر پڑا تھا۔ لیکن ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی صحتوں کو تو ان مصائب اور فاقہ کشی نے گھن کی طرح کھا لیا تھا۔ محاصرہ کو ختم ہوئے زیادہ دن نہ گذرے تھے کہ ابو طالب اس دُنیا سے رُخصت ہو گئے۔ اُنہوں

نے جس جرأت اور دلیری کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت اور نصرت کی تھی اور آپ کو قریش کی ایذاؤں سے محفوظ رکھنے میں جس اولوالعزمی اور پامردی کا ثبوت دیا تھا اس کی یاد حضورؐ کے دل سے کبھی محو نہ ہو سکی۔ حضورؐ کو بس ایک قلق تھا اور وہ یہ کہ اُنہیں اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب نہ ہو سکی اور وہ اپنی قوم کے طعنوں کے ڈر سے مشرف باسلام ہوئے بغیر وفات پا گئے۔

جب تک ابو طالب زندہ رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سینہ سپر رہے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد قریش کو کھل کھیلنے کا موقعہ مل گیا۔ انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جی بھر کر ظلم کرنے شروع کر دیئے۔

ابھی چچا کی وفات کا زخم ہرا ہی تھا کہ حضورؐ کو اس سے بھی بھاری صدمہ سے دوچار ہونا پڑا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جن کی عمر ۶۵ برس سے زیادہ ہو چکی تھی۔ محاصرۂ شعب ابو طالب کی سختیوں کی تاب نہ لا کر اس جہانِ فانی سے عالمِ جاودانی کو سدھار گئیں۔ اور آپؐ کا پچیس سال کا پرانا رفیق جس نے اتنے لمبے عرصے تک انتہائی دلسوزی اور جاں فشانی سے آپؐ کی خدمت کی تھی اور ہر موقعہ پر بہترین اخلاص اور محبت کا ثبوت دیا تھا آپ کو داغِ مفارقت دے گیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مکہ کے شمال مشرق میں حجون کے قبرستان میں مدفون ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود قبر میں اُترے۔ نمازِ جنازہ اس وقت تک فرض نہیں ہوئی تھی۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پچیس سال تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رفاقت حاصل رہی۔ اس طویل عرصہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اور کوئی نکاح نہیں کیا۔ بعد میں بھی آپ نے ایک لمحہ کیلئے انہیں فراموش نہ کیا۔ اور اکثر ان کا ذکر زبان پر جاری رہتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس تواتر اور محبت سے خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرماتے رہتے تھے کہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں مجھے خدیجہؓ کے سوا حضورؐ کی بیویوں میں سے اور کسی پر رشک نہ آتا تھا۔ حالانکہ میں نے انہیں دیکھا تک نہ تھا۔ اور وہ میرے نکاح سے تین سال قبل وفات پاچکی تھیں۔ رشک کی وجہ یہ تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر وقت ان ہی کا تذکرہ کرتے رہتے تھے“۔

ایک مرتبہ حضورؐ حسب معمول اُن کا ذکر کر رہے تھے کہ حضرت عائشہؓ بول اُٹھیں:۔

”یا رسول اللہ! آپ ہر وقت خدیجہؓ کا ذکر کیوں کرتے رہتے ہیں، وہ ایک بوڑھی عورت تھیں۔ اللہ تعالےٰ نے آپکو ان سے بہتر

بیویاں عطا فرما دی ہیں "۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پُرسوز الفاظ میں فرمایا:۔

" عائشہ ایسی بات مت کہو۔ خدیجہ نے اس وقت میری تصدیق کی جب تمام قوم میری تکذیب کے درپے تھی۔ وہ اس وقت مجھ پر ایمان لائی جب تمام لوگوں نے میری باتیں سننے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے اس وقت مجھ پر اپنا مال خرچ کیا جب کوئی شخص مجھے ایک درہم بھی دینے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس کے علاوہ اللہ تعالےٰ نے مجھے صرف اسی کے ذریعہ اولاد عطا فرمائی "۔

ایک مرتبہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں۔ اور دروازے پر آکر اندر آنے کی اجازت مانگی۔ حضورؐ کے کان میں جب ان کی آواز پڑی تو آپؐ بے چین ہوکر بولے " یہ تو بالکل خدیجہؓ کی آواز ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہالہ آئی ہے "۔

حضورؐ کی یہ بات سن کر حضرت عائشہؓ نے پھر کہا:۔

" یا رسول اللہ! آپ ہر وقت اس بوڑھی عورت کا ذکر کیوں کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس سے بہتر بیویاں عطا فرما دی

ہیں"۔

یہ سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اور آپ نے حضرت عائشہؓ سے بولنا چھوڑ دیا۔ بالآخر ان کی والدہ نے آکر ان کی سفارش کی تب حضورؐ ان سے راضی ہوئے ۔

حضورؐ کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی قربانی کرتے تو خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے ہاں ضرور گوشت بھیجا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی انہیں تحفے تحائف بھیجتے رہتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے ایک روز اس کی وجہ پوچھی تو حضورؐ نے فرمایا :۔

" مجھے خدیجہ سے تعلق کے باعث ان کی سہیلیوں کا بڑا پاس ہے اس لئے میں انہیں تحفے تحائف بھیجتا رہتا ہوں "۔

ان کے رشتہ داروں سے بھی آپ ہمیشہ حسنِ سلوک اور محبت سے پیش آتے رہے ۔

جنگِ بدر میں مسلمانوں نے کفار کے جو قیدی پکڑے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی رہائی کی یہ شرط مقرر فرمائی تھی کہ وہ زرِ فدیہ ادا کر دیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے داماد اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ کے لڑکے ابو العاص بھی ان ہی قیدیوں میں تھے۔ ان کی بیوی حضرت زینبؓ نے ان کے فدیہ کے طور پر مکہ سے ایک ہار

بھیجا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بیٹی کی شادی کے موقع پر اسے جہیز میں دیا تھا۔ جب یہ ہار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اُسے دیکھ کر آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور آپؐ نے رقّت بھرے لہجہ میں صحابہؓ سے فرمایا۔ کہ اگر چاہو تو خدیجہؓ کا دیا ہؤا یہ ہار اس کی بیٹی کو واپس کر دو ۔

چنانچہ وُہ ہار حضرت زینبؓ کو واپس کر دیا گیا ۔ اور ابوالعاص کو بھی رہا کر کے مکّہ بھیج دیا گیا ۔

(۱۴)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے پیچھے چار لڑکیاں چھوڑیں زینبؓ۔ رقیہؓ۔ اُمِ کلثومؓ اور فاطمہؓ۔

سب سے بڑی لڑکی زینبؓ تھیں۔ یہ بعثت سے قبل پیدا ہوئی تھیں۔ ان کا نکاح اپنے خالہ زاد بھائی ابوالعاص سے ہُوا تھا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دعویٰ نبوّت کے بعد زینبؓ تو اسلام لے آئیں لیکن اُنکے خاوند ابوالعاص بدستور اپنے آبائی دین پر قائم رہے۔ تاہم اختلافِ مذاہب کے باوجود دنیوی معاملات میں وُہ ہمیشہ اپنے خاوند کی اطاعت شعار رہیں۔ اور ابوالعاص بھی ہمیشہ اپنی بیوی کیساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آتے رہے۔ جنگ بدر میں اُنہیں مجبوراً دیگر کفّار کا ساتھ دینا پڑا۔ دورانِ جنگ میں انہیں مسلمانوں نے قید کرلیا۔ کچھ دنوں بعد جب اُنہیں رہائی ملی تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ وُہ واپس جاکر زینبؓ کو مدینہ بھجوا دیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا وعدہ پُورا کیا اور اپنی بیوی کو ایک خچر پہ

سوار کر کے مدینہ روانہ کر دیا۔ لیکن بعض اوباش لوگوں نے خچر کا پالان الٹ دیا جس سے وُہ زمین پر آپڑیں۔ اُنہیں حمل تھا اس صدمہ کے باعث وُہ ضائع ہو گیا۔ بعد میں ابوالعاص نے بھی اسلام قبول کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنی بیٹی دوبارہ ان کے عقد میں دے دی ۔

حضرت زینبؓ کی وفات تیس سال کی عمر میں سنہ ھ میں ہوئی۔ اپنے پیچھے اُنہوں نے ایک کمسن لڑکی چھوڑی جس کا نام امامہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اس سے اتنی محبت تھی کہ نماز پڑھتے ہوئے آپ اسے کندھے پر بٹھا لیا کرتے تھے۔ جب سجدے میں جاتے تو اُتار دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو دوبارہ بٹھا لیتے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سنگِ سلیمانی کا ایک ہار لائے اور فرمایا کہ یہ ہار میں اُسے دُوں گا جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو گا۔ گھر والے اپنے دِلوں میں یہ کہنے لگے کہ یہ ہار بنتِ ابی قحافہ (حضرت عائشہؓ) ہی کو ملے گا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے امامہ کو بُلا کر وُہ ہار اس کے گلے میں ڈال دیا۔

دُوسری بیٹی رقیہ شکل و شباہت میں اپنی والدہ کے عین مشابہ تھیں اُنکا نکاح قبل از نبوت عتبہ بن ابولہب سے ہُوا تھا۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے نبوّت کا دعویٰ کیا تو عتبہ نے اپنے والد کے حُکم دینے پر انہیں طلاق دے دی۔ اسکے بعد آپؐ نے ان کی شادی عثمانؓ

بن عفانؓ سے کر دی۔ اسقاطِ حمل کے باعث اُن کے کئی بچے ضائع ہوئے آخر ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام انہوں نے اپنے فوت شدہ بھائی کے نام پر عبداللہ رکھا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کی کنیت بھی ابوعبداللہ پڑ گئی۔ لیکن یہ بچہ زیادہ دیر تک زندہ نہ رہا۔ اس کے بعد ان کے اَور کوئی اولاد نہ ہوئی ؎

حضرت رقیہؓ کی وفات جنگِ بدر کے چند دن بعد ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کی تیمارداری کیلئے انکے خاوند حضرت عثمانؓ اور اسامہ بن زیدؓ کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ جنگِ بدر کے بعد عین اس وقت جب زیدؓ بن حارثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی جدعاء پر سوار ہوکر فتح کی خوشخبری سنانے کے لئے مدینہ میں داخل ہو رہے تھے حضرت عثمانؓ رقیہؓ کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے ؎

تیسری بیٹی اُم کلثومؓ کا نکاح ابو لہب کے لڑکے عتیبہ سے ہوا تھا۔ اُس نے بھی اپنے باپ کے کہنے سے انہیں طلاق دے دی حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نکاح بھی حضرت عثمانؓ سے اسی مہر کے عوض کر دیا جس مہر کے عوض رقیہ کا نکاح ہوا تھا۔ ان کے کوئی لڑکا یا لڑکی نہیں ہوئی۔ جس وقت اُنہیں قبر میں اُتارا جا رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر کے سرہانے کھڑے تھے اور

حضورؐ کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہ رہے تھے ۔

حضورؐ کی سب سے چھوٹی اور سب سے محبوب بیٹی فاطمہؓ تھیں۔ جہاں رقیہؓ شکل و شباہت میں اپنی والدہ سے ملتی جلتی تھیں، وہاں فاطمہؓ اپنے والد سے مشابہ تھیں حضورؐ فرمایا کرتے تھے" فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اسے تکلیف پہنچائی اُس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے اسے راحت پہنچائی اس نے مجھے راحت پہنچائی"۔ ایک مرتبہ آپؐ نے فاطمہؓ سے کہا" بیٹی جس سے تم خوش ہوتی ہو اللہ تعالیٰ بھی اس سے خوش ہوتا ہے۔ اور جس سے تم ناراض ہوتی ہو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہوتا ہے"۔

ان کی شادی حضرت علیؓ بن ابی طالب سے ہوئی۔ دو لڑکے پیدا ہوئے۔ بڑے کا نام حسنؓ تھا اور چھوٹے کا نام حسینؓ۔ ان دونوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیحد محبت تھی۔ ان بچوں کا شمار تاریخ اسلام کی اہم ترین شخصیتوں میں ہوتا ہے۔ اور لاکھوں مسلمان ان سے منسوب ہونے میں فخر محسوس کرتے ہیں ۔

ماخذ

کتاب	مصنف
۱- الطبقات الکبریٰ	ابو عبداللہ محمد بن سعد
۲- سیرۃ النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام	ابو محمد عبدالملک بن ہشام
۳- امتاع الاسماع	تقی الدین احمد بن علی المقریزی
۴- الاصابہ فی تمیز اسماء الصحابہ	ابن حجر عسقلانی
۵- تاریخ الامم والملوک	ابن جریر طبری
۶- الکامل	ابن اثیر
۷- خدیجہ ام المومنین رضی اللہ عنہا	السید عبدالحمید الزہراوی
۸- شہیرات النساء	الامیرہ قدریہ حسین
۹- عبقریۃ محمدؐ	عباس محمود العقاد
۱۰- حیاۃ محمدؐ	محمد حسین ہیکل
۱۱- فی منزل الوحی	محمد حسین ہیکل

اُمّ المومنین
خدیجہ رضی اللہ عنہا

تالیف

محترمہ بثینہ توفیق مصری

ترجمہ

شیخ محمد احمد پانی پتی

مرکز اشاعت
رام گلی نمبر ۲ برانڈرتھ روڈ
لاہور